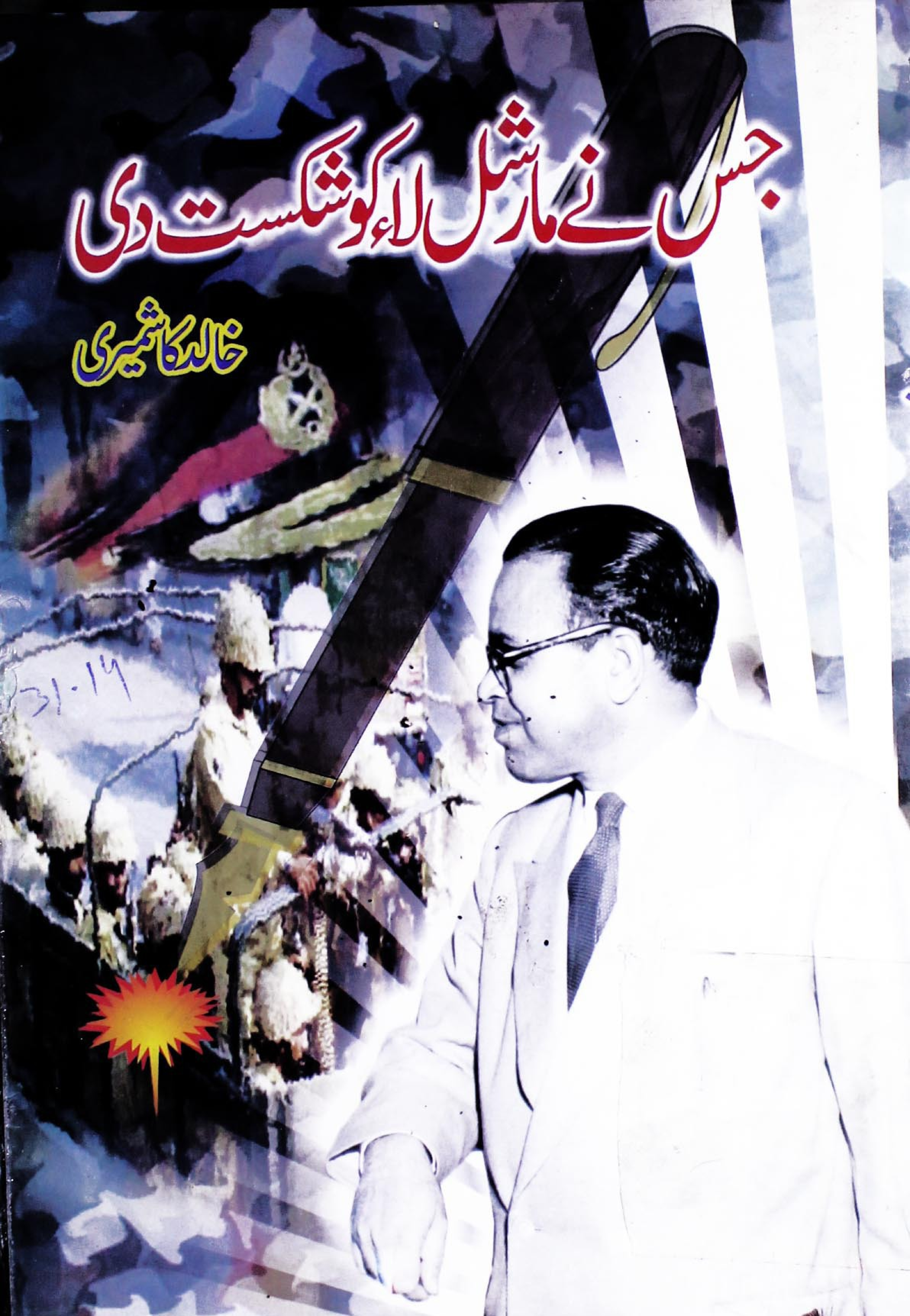

Marfat.com

Marfat.com

جس نے مارشل لاء کو شکست دی

☆

خالد کاشمیری

عکسِ جہاں پبلی کیشنز
697۔ای گلشن راوی لاہور۔فون:7414680

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

☆

84083

نام کتاب	:	جس نے مارشل لاء کو شکست دی
نام مصنف	:	خالد کاشمیری
سال اشاعت	:	2002ء
پبلشر	:	عکس جہاں پبلیکیشنز
		697-ای گلشن راوی لاہور
پرنٹر	:	بکسن پرنٹنگ پریس
		6-نصیرالدین روڈ اسلام پورہ لاہور
کمپوزنگ	:	سید عادل حسین بخاری
ٹائیٹل	:	محمد امین
قیمت	:	=/150 روپے

Marfat.com

آئینہ

انتساب

دیباچہ ۔ ڈاکٹر مسکین علی حجازی

حرف آغاز خالد کاشمیری

● تحریک پاکستان کے کارکن کو سلیوٹ 15

○ ۔ مسلم لیگ پٹیالہ کا سیکرٹری نشر و اشاعت

○ ۔ سانگلہ ہل کا سکالرشپ ہولڈر

○ ۔ کالج میں داخلہ سے انکار

● روشنی کی کرن 27

○ ۔ سائیکل سوار کی لفٹ

○ ۔ مسرت کے آنسو

● یہ تھا عرب ہوٹل 37

○ ۔ بچھڑے یار ملے

○ ۔ فلمی جریدے سے صحافت کا آغاز

○ ۔ شمس العلماء ممتاز علی کی صحبت میں

● حضرت قائداعظمؒ کے حضور 47

○ ۔ بابائے قوم کو دعوت خطاب دینے پر شوکاز نوٹس

○ ۔ مسلم لیگ لکھنؤ سیشن کے لئے نامزدگی

○ ۔ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا قیام

Marfat.com

● خارزارِ صحافت میں 61

○۔ نوائے وقت ...... کلامِ اقبال کی ورق گردانی کا ثمر

○۔ قائد کا پیغام

○۔ دو قومی نظریہ کا کھلم کھلا اعلان

● حضرت قائداعظمؒ اور حمید نظامی 75

○۔ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی دوبارہ صدارت

○۔ یونینسٹ حکومت کی دھمکیاں

○۔ پندرہ روزہ سے روزنامے تک

● حمید نظامی اور تحریکِ پاکستان 87

○۔ ...... اور نوائے وقت روزنامہ ہو گیا

○۔ اپنوں اور اغیار کے نرغے میں

○۔ بے باک اور آزاد صحافت

● بیسویں صدی کے تاریخ ساز انتخابات 101

○۔ تحریکِ پاکستان میڈیا کے محاذ پر

○۔ ہندو کانگریس کے خلاف سرفروشانہ کردار

○۔ گاندھی کی پاکستان دشمن سازشیں بے نقاب

● صوبہ سرحد کا ریفرنڈم 111

○۔ دیوانہ وار مہم

○۔ برصغیر میں خون کی ہولی

○۔ اخبار نہ چھپ سکا

Marfat.com

- پاکستان کا قیام 117
  - ○۔ بانی پاکستان سے آخری ملاقات
  - ○۔ یک پارٹی سسٹم کے خلاف نعرہ مستانہ
  - ○۔ برطانوی سامراج کی نشانیاں
- جمہوری اقدار کی پاسبانی 125
  - ○۔ حزب اقتدار کا معمار
  - ○۔ آزادیٔ صحافت کا تنہا سپاہی
  - ○۔ حریصان اقتدار سے کھلی جنگ
- صحافت کا قتل 137
  - ○۔ دل یا شکم
  - ○۔ نوائے وقت کا ڈیکلریشن منسوخ!
  - ○۔ نہ جھکے نہ بکے
- ناانصافیوں کے خلاف تیغِ بے نیام 153
  - ○۔ بدنام زمانہ موچی والا کیس کی رپورٹنگ
  - ○۔ اخبارات کے بارے میں تعزیری قوانین پر احتجاج
  - ○۔ سی ایم ایچ راولپنڈی میں نظر بند غفار خان سے ملاقات
- جب جمہوریت کی صف لپیٹ دی گئی 167
  - ○۔ مارشل لاء سے رزم آرائی
  - ○۔ قلم کی دہشت
  - ○۔ بنیادی حقوق کی جان توڑ جدوجہد

Marfat.com

- عوامی حقوق کا پرچم بردار
  - ۔دلکش ترغیبات کی پیشکش
  - ۔مارشل لاء کو شکست
  - ۔ اور وہ امر ہو گئے

Marfat.com

مؤرخ، مصنف اور صحافی

مرحوم و مغفور دادا جان عبدالرحمٰن شوق کے نام!
جن کے ہاں پہلی بار میں نے حمید نظامی کو دیکھا

خالد کاشمیری

Marfat.com

Marfat.com

دیباچہ

"نوشتہ تقدیر" کا دوسرا نام انسانی زندگی میں اتفاقات اور حوادث کا دخل ہے۔ وہ زندگی ہی کیا جس کی صورت گری اتفاقات اور حوادث نہ کریں۔ میرے ساتھ پہلا اتفاق یہ ہوا کہ صحافت کی باقاعدہ تعلیم کے لئے یونیورسٹی میں بعد میں گیا، پہلے عملی صحافت میں آ گیا۔ دوسرا اتفاق یہ ہوا کہ عملی صحافت کا آغاز شورش کاشمیری مرحوم کے مشہور جریدہ "چٹان" سے ہوا۔ شورش کاشمیری حیات تھے تو ان کے قلم اور زبان سے ایک زمانہ ڈرتا تھا۔ لیکن پوری دنیائے صحافت میں ایک شخصیت ایسی تھی جس کا ذکر وہ احترام سے کرتے۔ اکثر شامیں اس کے ساتھ گزارتے۔ بوقت ضرورت مشورہ کرتے۔ اس شخصیت کا چٹان کے دفتر میں اور آغا صاحب کے گھر میں آنا جانا تھا مگر کبھی کبھار۔ یہ شخصیت تھی حمید نظامی مرحوم

مجھے چٹان کے ساتھ وابستہ ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ مشکل امتحان کا وقت آ گیا۔ آغا صاحب یورپ کے دورہ پر جا رہے تھے۔ چار ہفتہ کے لئے "چٹان" کی شہرت اور مقام کیا کہنے۔ میں نو آموز...... ہوائی اڈہ کی طرف روانہ ہونے سے پہلے آغا صاحب دفتر آئے۔ سارے عملہ کو یکجا کیا اور جنرل منیجر چٹان ملک عبدالصمد (مرحوم) کو مخاطب کر کے کہا "میری غیر حاضری میں یہ (میری طرف اشارہ کر کے) سوائے اداریہ کے تمام مندرجات کے ذمہ دار ہوں گے۔ ان کا نام ہی قائم مقام ایڈیٹر کے طور پر چھپے گا۔ لیکن اداریہ کے لئے میں نے حمید نظامی صاحب کو راضی کر لیا ہے۔ ہر جمعہ کی صبح صلاح الدین ان کے گھر جا کر اداریہ لے آیا کرے۔ حمید نظامی مرحوم صبح کو دفتر میں آنے سے پہلے کچھ کام گھر پر کرتے تھے۔ لاہور میں لکھنے والوں کی کمی تھی نہ کہنہ مشق صحافیوں کی۔ لیکن شورش کاشمیری کو حمید نظامی پر یہ اعتماد تھا کہ وہی چٹان کی پالیسی، مزاج اور معیار سے ہم آہنگ اداریہ لکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ آغا صاحب کی غیر حاضری میں حمید نظامی مرحوم کے لکھے ہوئے اداریئے چٹان میں شائع ہوتے رہے۔ صحافتی حلقوں میں اس نوع کی خیال

Marfat.com

آرائی ہوتی رہی کہ "پٹھان" کا اداریہ فلاں نے لکھا ہے یا فلاں نے۔

مولانا ظفر علی خاں، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ابوالکلام آزاد کے دور کی صحافت کے مقاصد اور تقاضے مختلف تھے۔ ان کا دور ہنگامہ ہائے رستاخیز، پکار، للکار، دعوت اور تلخ نوائی کا دور تھا۔ سونے والوں کو جگانا اور غفلت کے ماروں کو متحرک اور آمادہ عمل کرنا تھا۔ مخالفوں کی للکار کا جواب للکار تھا۔ ستم پیشہ حکمرانوں کی سخت تعزیروں کا جواب ثبات، استقلال اور عزم راسخ تھا۔ جب حمید نظامی مرحوم میدان صحافت میں آئے اس وقت اگرچہ تحریکیں کسی نہ کسی صورت جاری تھیں لیکن آزادی کی جدوجہد آئینی و قانونی دائروں میں استدلال، منطق اور براہین کے گرد گھوم رہی تھی۔ اب دلوں کو گرمانے کے ساتھ ساتھ ذہنوں کو مطمئن کرنے اور تشکیک کو یقین میں بدلنے کی ضرورت تھی۔ اہم ترین ضرورت یہ تھی کہ عامۃ المسلمین تحریک پاکستان کے مقاصد کو سمجھیں۔ قائداعظم کی باتوں کی اصابت کو تسلیم کریں اور مخالفانہ پراپیگنڈہ سے گمراہ نہ ہوں۔ یہ مسلم لیگی قائدین اور تحریک پاکستان کی حامی مسلم صحافت کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس اہم عصری ضرورت کو پورا کریں۔ حمید نظامی مرحوم نے یہ ذمہ داری سنبھالی اور اسے اپنی ہمت اور بساط سے بڑھ کر جرات و بہادری سے نبھایا اور اس وقت مجموعی طور پر کمزور مسلم صحافت کے محاذ سے حمید نظامی تحریک پاکستان کے حق میں نڈر اور زوردار آواز ہے۔

حمید نظامی مرحوم اگرچہ اپنے اخبار کے تمام مندرجات پر نگاہ رکھتے تھے۔ مضامین اور کالم بھی لکھتے تھے لیکن ان کی اصل شہرت کا سبب ان کی اداریہ نویسی تھی۔ اصولی طور پر اخبار کا ادارتی صفحہ اس کا دماغ اور اداریہ اس کا دل ہوتا ہے۔ دماغ سوچتا ہے۔ احوال و کوائف کو سمجھتا ہے۔ عصری اور زمانی ضرورتوں کو محسوس کرتا ہے۔ اپنی قوم اور اپنے عوام کے لئے منزل اور مقصد کا تعین کرتا ہے مرحوم نے دو قومی نظریہ کی تشریح اور وضاحت کانگرس اور اس کے رہنماؤں کی فریب کاریوں کا پردہ چاک کرنے اور "یونی نسٹوں" کے حربوں کو ناکام بنانے کی جدوجہد اس طرح کی کہ ان کے قلم کی دھاک بیٹھ گئی۔ انہوں نے سادہ ترین الفاظ میں مسائل کی تشریح کی۔ مشکل دلیلوں کو آسان انداز میں پیش کیا۔ وہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مفہوم ادا کرتے۔

Marfat.com

حمید نظامی کی موت مارشل لا کی گھٹن میں ہوئی لیکن آفرین ہے کہ انہوں نے جان ہار دی، حالات کے ساتھ سمجھوتہ نہ کیا اور اپنے اصولی موقف سے دستبردار نہ ہوئے۔ ان کے دور میں صحافت کو پابند سلاسل کرنے والے اور ان کو دھمکانے والے بھی آج قبروں میں ہیں۔ ان کا ذکر اذکار ہی نہیں ہوتا۔ حمید نظامی مر کر بھی زندہ ہیں۔ خالد کاشمیری نے درست لکھا ہے کہ "انہوں نے عوام کے حقوق بحال کرنے کی راہ میں مارشل لاء کے خلاف جان لیوا جنگ لڑی اور جان دے کر مارشل لا کو شکست سے دوچار کر گئے۔" مرحوم پر ان گنت لوگوں نے مضامین لکھے۔ تقریریں کیں۔ لیکن یہ تحریریں اور تقریریں زیادہ تر تاثراتی ہیں۔

شورش کاشمیری کی کتاب "حمید نظامی" کی قدر و قیمت گرچہ بہت زیادہ ہے۔ لیکن یہ بھی زیادہ تر تاثراتی ہے۔ ایک دوست کے تاثرات دوسرے دوست کے بارے میں۔ اگرچہ شورش کاشمیری نے حمید نظامی مرحوم کی صحافت کا معروضی جائزہ بھی لیا ہے مگر ان کی شخصیت کے بارے میں ان کی رائے تاثراتی ہے۔ خالد کاشمیری کی یہ کاوش کئی اعتبارات سے منفرد ہے۔ خالد کاشمیری اگر محض خطیب ہوتے تو لوگ ان کی خطابت کو شورش کاشمیری کی خطابت کا ضمیمہ قرار دیتے۔ ان کی تحریر میں بھی شورش کاشمیری کے اسلوب کا رنگ جھلکتا ہے۔ وہ ذہنی طور پر ادارہ نوائے وقت کے قریب دکھائی دیتے ہیں اور ادارہ نوائے وقت سے یہاں مراد حمید نظامی مرحوم کی وہ سوچ ہے جسے ان کی وفات کے بعد جناب مجید نظامی نے آگے بڑھایا ہے اور جسے حمید نظاری مرحوم کے فرزند عارف نظامی بھی فروغ دے رہے ہیں۔ خالد کاشمیری نے حمید نظامی مرحوم کی زندگی کے بعض گوشے پہلی بار بے نقاب کئے ہیں، اصل میں تحقیق میں کوئی بات حرف آخر نہیں ہوتی۔ کسی بھی وقت کوئی نئی بات منکشف ہو کر پہلی بات پر لکیر پھیر دیتی ہے مجھے حیرت اس پر نہیں کہ خالد کاشمیری نے بھی حمید نظامی مرحوم پر وقیع کتاب لکھی ہے بلکہ اس پر ہے کہ انہوں نے اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے ساتھ ساتھ مختصر وقت میں وہ کام کیا ہے جو "محقق" تحقیق کے لئے وقف ہو کر طویل عرصہ میں کرتے ہیں۔ خالد کاشمیری کا اپنا

Marfat.com

اسلوب ہے۔ خشک معلومات بھی ان کے اسلوب کا قالب اختیار کر کے دلچسپ ہو جاتی ہیں۔

کتاب کا "نام" ہی یہ بتا رہا ہے کہ خالد کاشمیری نے حمید نظامی مرحوم کی زندگی اور صحافت کے جس رخ کو زیادہ اجاگر کیا ہے وہ ان کی جرات، بے باکی اور بے خوفی ہے۔ ان ساری صفتوں کا سرچشمہ "بہادری" ہے۔ بہادر انسان ہی اصولوں کی خاطر مشکلات برداشت کرتے ہیں اور مصائب سے کھیلتے ہیں۔ اگر صحیح معاملہ پہ دیانتدارانہ رائے کے اظہار کی جرات نہ ہو تو غیر متعلقہ امور و مسائل پر رائے دی جاتی ہے۔ سچا صحافی ملک اور قوم کے اصل مسئلہ کی بات کرتا ہے۔ اور سچی بات کہنے کے لئے دل گردہ چاہیے۔ خالد کاشمیری نے ایسے بہت سے واقعات جمع کئے ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ حمید نظامی بڑے دل گردے والے سچے صحافی تھے۔ سچے اور کھرے پاکستانی تھے۔ اور پاکستان کی نظریاتی اساس پر اس کا یقین غیر متزلزل تھا۔ اور وہ اپنے اصولوں پر کسی طور سمجھوتہ نہیں کرتے تھے میں خالد کاشمیری کو مبارکباد دیتا ہوں۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ کچھ عرصہ سے ان کا قلم رواں ہے۔ انہوں نے مختصر مدت میں ہمیں کئی وقیع کتابیں دی ہیں۔ اور یہ کتابیں صحافیانہ تجسس، تحقیق اور معروضیت کا حسین امتزاج ہیں۔ "جس نے مارشل لاء کو شکست دی" بھی ہر اس شخص کی رہنمائی کرے گی جو یہ جاننا چاہتا ہے کہ اصل صحافت کیا ہے۔ سچا اور سچا صحافی کون ہوتا ہے اور صحافت کو خارزار کیوں کہا جاتا ہے؟

پاکستان جن مسائل میں گھرا ہوا ہے اور جو ختم ہونے ہی میں نہیں آرہے ان سے عہدہ برآ ہونے میں مضبوط اور بااصول صحافت کی مدد درکار ہے۔ خالد کاشمیری نے یہ کتاب مرتب کر کے ایک طرف قوم کو یہ یاد دہانی کرائی ہے کہ وہ مملکت کے چوتھے ستون کی طرف توجہ دے۔ دوسری طرف اہل صحافت کو دعوت دی ہے کہ وہ "چوتھا ستون" بنیں۔

10 جولائی 2002ء　　　　(پروفیسر ڈاکٹر) مسکین علی حجازی

Marfat.com

حرف آغاز

میں نے قلم کے لئے ان دنوں حمید نظامی کا انتخاب کر لیا تھا۔ جب اب سے اٹھارہ بیس برس قبل "نوائے وقت قائداعظم سے مادر ملت تک" کی تدوین کے لئے لاہور کی مختلف لائبریریوں کی خاک چھان رہا تھا۔ انہی دنوں نوائے وقت کے پرانے دور کی فائلوں کی ورق گردانی کرتے ہوئے جب حمید نظامی کے لکھے گئے اداریوں، فکاہی کالموں اور دیگر مضامین کے مطالعہ کا موقع ملا تو معلوم ہوا کہ واقعی حمید نظامی نہ صرف منفرد اسلوب صحافت میں اپنی مثال آپ تھے بلکہ انہوں نے اردو صحافت میں سیدھے سادھے اور دوٹوک الفاظ میں اپنی بات کہنے کی ابتدا کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اداریئے تیر کی طرح دل میں اتر جانے کی خصوصیت سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ ان کا انداز تحریر بیباکانہ ہی نہیں قلندرانہ بھی تھا۔ سچی اور کھری باتیں کہنے میں گویا تامل کرنا انہوں نے سیکھا ہی نہ تھا۔ اسی بنیاد پر اہل نظر ان کے جرأت مندانہ انداز صحافت کے حوالے سے جو آراء رکھتے تھے یا رکھتے ہیں وہ سو فیصد درست ہیں۔ بلاشبہ حمید نظامی برصغیر کی ملی صحافت کے میدان میں سرگرم عمل صحافیوں کی اس کھیپ کے سرخیل تھے جنہوں نے غلام ہندوستان میں مسلم عوام کے حقوق کی خاطر سرفروشانہ کردار ادا کیا۔ اور حضرت قائداعظم کی قیادت میں چلنے والی تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کرانے کے لئے تن من اور دھن کی بازی لگا دی۔ پھر قیام پاکستان کے بعد جب طالع آزماؤں نے جمہوریت کے بطن سے حاصل ہونے والے پاکستان پر مارشل لاء کی تیرہ و تار رات مسلط کر دی تو انہوں نے بے خوفی و جراتوں کے چراغ جلا کر عوام کو منزل کا راستہ دکھایا۔

Marfat.com

حمید نظامی کیا تھے؟ کون تھے؟ کہاں سے چلے اور کہاں تک پہنچے؟ کس کینڈے کے اخبار نویس تھے؟ کن جذبوں اور اصولوں کی کٹھالی نے انہیں پانسے کا سونا بنا دیا تھا؟ ایسے تمام معاملات سے متعلق معلومات کے حصول کے لئے جن کٹھن مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ ان کے تذکرے کی میں ضرورت نہیں سمجھتا یہ قلم کی ضرورتیں ہوتی ہیں جسے پورا کرنا اہل قلم کا فرض ہوتا ہے۔

تاہم "جس نے مارشل لاء کو شکست دی" کی ترتیب و تدوین میں مجھے جن کرم فرماؤں کا تعاون حاصل رہا۔ ان میں حمید نظامی کے سکول کے ہم جماعت اور آج کے نامور سیاسی رہنما سی آر اسلم ایڈووکیٹ اور مرحوم کے کالج فیلو کرنل (ریٹائرڈ) امجد حسین سید کے علاوہ ایسی ایسی بزرگ ہستیاں بھی شامل ہیں، جو اگرچہ اب اس دنیا میں نہیں مگر ان کی زبان سے میں پریس کی آزادی کے علمبردار حمید نظامی کی زندگی کے مختلف گوشوں سے آگاہی حاصل کرتا رہا۔ ان میں سابق پرنسپل اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی ڈاکٹر محمد باقر، نوائے وقت کے اولین دور کے نیوز ایڈیٹر سید ظہور عالم شہید، نامور صحافی حاجی صالح محمد صدیق، مولانا عبدالستار خاں نیازی اور سابق ڈائریکٹر جنرل ہیلتھ سروسز ڈاکٹر جمال بھٹہ کے نام نامی شامل ہیں۔

"جس نے مارشل لاء کو شکست دی" کا آغاز جس حقیقی واقعہ سے کیا گیا ہے سلطان شاہد اسے مشہور سیاسی کارکن خواجہ اظہار امرتسری سیکرٹری اطلاعات پاکستان جمہوری پارٹی کو میری موجودگی میں ان کے دفتر واقع نکلسن روڈ لاہور پر مزے لے لے کر سنایا کرتے تھے۔ میرے لئے یہ بات یقیناً باعث مسرت ہے کہ میں نے عہد رفتہ کے ایک بلند کردار، جرأت اظہار کے پیکر اور میدان صحافت میں روشن روایات قائم کرنے والے صحافی پر قلم اٹھایا ہے جس کا انداز صحافت آج کے اہل صحافت کے لئے مشعل راہ ہے۔

یکم جولائی 2002ء

خالد کاشمیری

لاہور

Marfat.com

تحریک پاکستان کے کارکن کو سلیوٹ

☆ مسلم لیگ پٹیالہ کا سیکرٹری نشر و اشاعت

☆ سانگلہ ہل کا سکالرشپ ہولڈر

☆ کالج میں داخلہ سے انکار

Marfat.com

یہ مئی 1953ء کی ایک دوپہر تھی۔

صبح کے ساڑھے بارہ بجے کا وقت ہوگا ایک نوجوان لڑکا سفیدے کے ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا۔ سفیدے کا یہ درخت اس وقت کی دی مال اور آج کی شاہراہ قائداعظم لاہور کے چوک چیئرنگ کراس میں شارع فاطمہ جناح اور شاہراہ قائداعظم کے سنگم پر ایستادہ تھا۔ نوجوان لڑکے کا رخ شاہ دین منزل کی طرف تھا۔ اس نے چند منٹ کھڑے کھڑے اس وسیع و عریض عمارت کا جائزہ لیا اور پھر درخت اور بلڈنگ کے مابین چند قدموں کی سڑک عبور کر کے اس عمارت کی سیڑھیاں چڑھنے لگ گیا۔ لکڑی کی کشادہ بل کھاتی ہوئی سیڑھیاں طے کرنے کے بعد اس نے بالائی برآمدے میں قدم رکھا تو سڑک کی طرف بالکونیوں میں سے ایک میں چھوٹی سی میز کے گرد دو آدمی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ نوجوان نے السلام علیکم کہہ کر ان سے کچھ پوچھا۔ ان میں سے ایک شخص نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''وہ دائیں طرف دروازہ ہے''۔

اس قبول صورت سانولے سلونے نوجوان نے جو سفید رنگ کا کرتہ پاجامہ پہنے ہوئے تھا جس کی بوسیدہ حالت اس بات کی چغلی کھا رہی تھی کہ ان کپڑوں کو دھلے کئی روز بیت چکے ہیں۔ پاؤں کی بوسیدہ سی چپل پر نا معلوم کتنے ہفتوں کی گرد نے تہہ در تہہ ڈیرے ڈال رکھے تھے۔

اس کی آنکھوں پر نظر کا چشمہ تھا' سر کے بال گھنے سیاہ مگر بے ترتیب۔ قمیض کے دائیں کندھے پر موٹے دھاگے سے لگائے گئے ٹانکے صاف نظر آ رہے تھے۔ مگر اس حالت میں بھی اس نوجوان کے چہرے پر سکون' ٹھہراؤ اور اطمینان کی جھلک نمایاں تھی۔

برآمدے میں کوئی پندرہ بیس گز کا فاصلہ طے کر کے وہ آدمیوں کے بتائے ہوئے پتہ کے

Marfat.com

مطابق دائیں طرف تین سیڑھیاں چڑھ کر ایک ڈیوڑھی میں داخل ہوا۔ اس طویل سی ڈیوڑھی کے آخر میں اسے ایک دبلا پتلا شخص کھڑا نظر آیا۔ وہ اطمینان سے قدم اٹھاتا ہوا اس تک گیا اور اپنا مدعا بیان کیا۔ اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ایک بنچ پر پڑے کاغذوں میں سے چھوٹی سی چٹ بنا کر نوجوان کے ہاتھ میں تھما دی اور ساتھ ہی پنسل بھی دی۔ نوجوان نے چٹ پر اپنا نام لکھا اور اسے واپس کر دی۔ وہ شخص چٹ لے کر ڈیوڑھی کے دروازے کے سامنے سے ذرا ہٹ کر دائیں ہاتھ کے دروازے کا پٹ کھول کر اندر گیا اور کسی توقف کے بغیر واپس آ کر نوجوان کو اندر جانے کا اشارہ دیا۔

وہ اندر داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ ایک نیم روشن سے کمرے میں میز کے سامنے ایک شخص بیٹھا کچھ لکھ رہا ہے۔ کمرے میں ایک بلب جل رہا تھا۔ مگر میز پر ٹیبل لیمپ کی روشنی میں نوجوان نے اپنے مطلوبہ شخص کو پہچان کر السلام علیکم کہا۔

''آیئے' بیٹھئے''۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی میں لکھنے والے نے قلم روکے بغیر نوجوان پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ اور پھر فوراً ہی پوچھا۔

''فرمایئے' کیسے آئے؟''۔

''جی مجھے کام چاہئے...... میں اخبار میں کام کرنا چاہتا ہوں''

نوجوان نے رک رک کر مگر بڑے اعتماد سے کہا:

''آپ نے پہلے کسی اخبار میں کام کیا ہے؟ تعلیم کتنی ہے؟''۔

اپنی لکھائی میں مصروف شخص نے نوجوان کی طرف دیکھے بغیر استفسار کیا۔

''تعلیم تو میری میٹرک ہے' مگر میں خبریں بنانا جانتا ہوں''۔ نوجوان کا جواب تھا۔

۔۔۔۔''کہاں کام کرتے رہے ہیں؟''۔ مسلسل قلم چلاتے ہوئے شخص نے وضاحت چاہی مگر نوجوان کی طرف دیکھے بغیر۔

''جناب میں نے کسی اخبار میں تو کام نہیں کیا مگر میں اخباروں کے لئے خبریں خود لکھتا رہا ہوں جو خبریں لکھتا تھا وہی اخباروں میں چھپا کرتی تھیں......''۔

''مگر کہاں کس اخبار میں......''نوجوان کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا گیا۔

''جناب میں تحریک پاکستان کے دنوں میں مسلم لیگ مالیر کوٹلہ کی خبریں خود بنا کر وہاں سے

Marfat.com

مقامی اخبارات اور رسالوں میں دینے جایا کرتا تھا۔ میں مالیر کوٹلہ مسلم لیگ کا سیکرٹری نشرو اشاعت تھا۔ مالیر کوٹلہ مسلم لیگ کی خبریں لکھ کر ان اخباری نمائندوں کو بھی جا کر دیا کرتا تھا جو دوسرے بڑے شہروں سے نکلنے والے اخباروں کے نمائندے تھے۔ ان میں ایسی خبریں بھی ہوا کرتی تھیں جو قائد اعظمؒ کے موقف کی حمایت میں مالیر کوٹلہ مسلم لیگ کے عہدیداروں کے بیانات سے عبارت ہوا کرتیں..............''۔

نوجوان بولتا چلا جا رہا تھا اور ٹیبل لیمپ کی روشنی میں لکھنے میں مصروف جس شخص نے اب تک صرف ایک دفعہ ہی اس پر ایک طرح کی نگاہ غلط انداز ڈال کر دوبارہ نظر نہیں اٹھائی تھی۔ وہ قلم روک کر ٹکٹکی باندھے نوجوان کی طرف دیکھ کر گوش بر آواز تھا۔ جب نوجوان ذرا رکا تو اس شخص نے اپنے بائیں طرف بیٹھے ایک شخص کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس وجیہہ وشکیل شخص نے دائیں ہاتھ سے پائپ کا کش لیتے ہوئے صرف اتنا کہا:

''YES, HE DID'' ''یس ہی ڈڈ''

''جس کا مطلب تھا وہ ایسا ہی کرتا تھا''۔

یہ سن کر ٹیبل لیمپ کی روشنی میں بیٹھے صاحب قلم شخص کے چہرے پر آنے والے نوجوان کے لئے ہمدردی وشفقت کی تنویریں پھوٹتی دکھائی دیں۔ اس نے اپنے رائٹنگ پیڈ سے ایک چھوٹا سا کاغذ کا ٹکڑا پھاڑا۔ اس پر کچھ لکھا۔ پھر قلم و پیڈ میز پر رکھے اور کرسی سے اٹھ کر انتہائی پیار سے چٹ نوجوان کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے کہا: ''باہر جا کر چپراسی سے کہئے آپ کو اکاؤنٹینٹ کے پاس لے جائے اور پیر کو آپ اپنی ڈیوٹی پر آ جائیں''۔

نوجوان نے چٹ اکاؤنٹینٹ کے ہاتھوں میں تھمائی۔ انہوں نے پڑھی تو فوراً ہی نوجوان کو سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے ایک کاغذ نوجوان کے آگے رکھتے ہوئے کہا: اس پر دستخط کر دیجئے۔ اور ساتھ ہی تین سو روپے نکال کر نوجوان کی طرف بڑھا دیئے۔

نوجوان کو یہ صورت حال پریشانی میں مبتلا کر رہی تھی۔ اس نے دستخط کرتے ہوئے گھبرا کر پوچھا: ''یہ سب کیا ہے؟ مطلب یہ کہ پیسے کیسے ہیں؟''۔

''صاحب نے یہ پیسے آپ کو دینے کا حکم دیا ہے، ہم نے حکم کی تعمیل کی ہے''۔

اکاؤنٹینٹ کا جواب تھا۔ اور نوجوان حواس باختہ سا ہو کر کبھی ان پیسوں اور کبھی اکاؤنٹینٹ

Marfat.com

کو دیکھتا ہوا دفتر سے باہر نکل آیا۔

نوجوان کا اس قدر رقم یکدم ہاتھ میں آجانے سے گھبرانا یا حواس باختہ ہو جانا قدرتی امر تھا کیونکہ ان دنوں کلرک کی تنخواہ ساٹھ پینسٹھ روپے ہوا کرتی تھی۔ اچھے کپڑے کا جوڑا دس بارہ روپے میں سل جاتا تھا اور عمدہ قسم کا جوتا بھی آٹھ دس روپے میں ملتا تھا۔ ایسے میں جس شخص کو اپنی توقع اور خواہش سے کہیں زیادہ رقم یکمشت مل جائے تو اس کا خوشی سے پاگل ہو جانے کے قریب پہنچ جانا فطری امر ہے۔ مگر اس نوجوان پر جس شخص نے نوازشات کی بارش کی تھی' وہ کوئی یونہی نہیں کر دی تھی۔ یہ نوازشات دراصل نوجوان کی ان خدمات پر اس شخص کا نذرانہ عقیدت تھا جو خود بھی تحریک پاکستان کے صبر آزما طویل دور میں حضرت قائد اعظم کے پرچم تلے صف اول کے کارکنوں کا سرخیل رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب نوجوان نے یہ کہا کہ وہ تحریک پاکستان کے دنوں میں مالیر کوٹلہ مسلم لیگ کا سیکرٹری نشر و اشاعت تھا اور مسلم لیگ کی خبریں خود لکھ کر خود ہی اخبارات کے دفاتر میں جا کر دیا کرتا تھا۔ تو سننے والے نے لکھنا چھوڑ کر نوجوان کے چہرے پر نظریں گاڑھ دی تھیں اور پھر اپنے بائیں طرف کرسی پر بیٹھے جس شخص سے نوجوان کی باتوں کی تصدیق کرائی وہ مالیر کوٹلہ مسلم لیگ کے صدر نوابزادہ رشید علی خاں تھے۔ جو تحریک پاکستان کے اس نامور کارکن اور تحریک کے دنوں میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے بانی رہنما حمید نظامی سے ملنے ان کے دفتر میں آئے ہوئے تھے۔

آنے والے نوجوان کا نام سلطان شاہد اور ان کی باتوں کی تصدیق میں حمید نظامی کی سوالیہ نظروں پر ''یس ہی ڈڈ'' کہنے والے نوابزادہ رشید علی خان (صدر مسلم لیگ مالیر کوٹلہ) تھے۔ سلطان شاہد جب کمرے میں آئے تھے تو ان کی نظریں صرف حمید نظامی ہی کی طرف رہیں۔ انہیں اس امر کا تو احساس تھا کہ ان کے دائیں اور حمید نظامی کے بائیں طرف کوئی شخص کرسی پر براجمان پائپ کے کش لگا رہا ہے جس کے باعث پورا کمرہ معطر ہو رہا ہے اور اس کا فیلٹ ہیٹ میز پر پڑا ہے مگر ٹیبل لیمپ کی اوٹ میں وہ نوابزادہ رشید علی خان کو پہچان نہ سکے تھے۔ جب نوابزادہ رشید علی خان نے ''یس ہی ڈڈ'' کہا تو سلطان شاہد نے کرسی سے ذرا اٹھا ہو کر نوابزادہ رشید علی خان کو پہچانتے ہوئے سلام کیا۔

یہی سلطان شاہد حمید نظامی کی تربیت میں روزنامہ ''نوائے وقت'' کے سب ایڈیٹر نیوز فیچر

Marfat.com

رائٹر اور میگزین ایڈیٹر کے عہدوں پر متمکن رہے۔

درحقیقت یہ واقعہ ارض پاکستان کے ایک ایسے سپوت کی تحریک پاکستان میں کام کرنے والوں سے محبت اور ان کے احترام سے متعلق قلبی کیفیات کا آئینہ دار ہے جس نے حصول وطن کی راہ میں حضرت قائداعظم کی زیر قیادت آزادی کی جنگ لڑی تھی۔ حمید نظامی اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھے کہ حصول وطن کی راہ میں غربت کے مارے مسلمانوں نے بڑی بے سرو سامانی ہی میں ہندوؤں، سکھوں اور انگریزوں کی سازشوں کو ناکام بنایا تھا۔ وہ مفلوک الحال مسلمان ہی تھے جنہوں نے اپنے عظیم قائد کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے تحریک پاکستان کو کامیابی کی منزل سے ہمکنار کرنے کی خاطر دن رات ایک کر دیا تھا۔ اسی لئے حمید نظامی کی نظر میں تحریک پاکستان میں حصہ لینے والا ہر ادنیٰ سے ادنیٰ کارکن باعث تکریم اور قوم کے لئے باعث فخر تھا۔ چنانچہ سلطان شاہد کی خستہ حالی کو دیکھتے ہوئے جب حمید نظامی کو یہ معلوم ہوا کہ وہ تحریک پاکستان میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اپنے حصے کا کام کرتا رہا ہے تو نوابزادہ رشید علی خان سے اس امر کی تصدیق کے بعد سلطان شاہد کی خستہ حالی کو بدلنے کے لئے فوری طور پر مالی امداد اور ملازمت دینے کا اقدام درحقیقت تحریک پاکستان کو سلیوٹ اور اس کے کارکن کی عزت افزائی کے مترادف تھا۔

اسی حمید نظامی نے قیام پاکستان کے بعد ارض وطن میں اس کے بانی حضرت قائداعظم کے جمہوری تصورات وافکار کی عملی تعبیر دیکھنے کے لئے سردھڑ کی بازی لگا دی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے میدان صحافت میں جراتوں کے چراغ جلائے۔ آزادیٔ اظہار کے ڈنکے بجائے۔ حریت فکر کے پرچم لہرائے۔

حمید نظامی نے ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے گھرانے میں آنکھیں کھولی تھیں۔ انتہائی نامساعد حالات میں صبر آزما جدوجہد اور دن رات کی ذہنی مشقت سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ قومی درماندگی کے ماحول میں اپنا مقام حاصل کرنے کے لئے قلم سے تیشۂ فرہاد کا کام لیا۔ اپنی دنیا خود تعمیر کی۔

وراثت میں کوئی ادارہ یا بڑا نام نہیں پایا تھا مگر اپنے بعد آنے والوں کو بڑا نام دینے کے لئے محنت کی مثال قائم کر گئے۔

Marfat.com

وہ ایک اعلیٰ درجے کے انشا پرداز' مشاق کالم نگار' بے پناہ صلاحیتوں کے حامل ایڈیٹر اور منتظم تھے۔

جس دور میں خارزارِ صحافت میں اترے۔ وہ مولانا محمد علی جوہر' ابوالکلام آزاد اور بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان کی قائم کردہ ان روایتوں کی چکا چوند کا دور تھا جس میں شوکتِ الفاظ استعاروں' تشبیہات اور اصلاحات کی آبشاروں سے مزین تحریریں ہی مقبولِ عام ہونے کی سند پاتی تھیں۔ مگر حمید نظامی نے پرشکوہ الفاظ سے تحریروں کے تاج محل بنانے سے ہمیشہ گریز کیا۔ یقیناً اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں جب حمید نظامی نے صحافت سے رشتہ جوڑا تھا چٹخارے دار تحریر کی نہیں بلکہ سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی ایسی دوٹوک تحریروں کی ضرورت تھی جو درماندہ قوم کے دلوں کو گرما کر انہیں حصولِ آزادی کی خاطر سرگرمِ عمل ہونے پر ابھار سکے۔ اور اس حقیقت سے حمید نظامی پوری طرح واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تحریکِ پاکستان کے پرآشوب دور میں حمید نظامی کی روایات سے ہٹی ہوئی صاف' دوٹوک سادہ اور سلیس تحریروں نے پڑھنے والوں کو سحر زدہ کر کے رکھ دیا تھا۔

بیسویں صدی کے وسط میں حمید نظامی ملی سوچ رکھنے والے صحافیوں کے اس دستے کے سرخیل تھے جنہوں نے اردو صحافت کے میدان کو منجھے ہوئے کھلاڑیوں کی ٹیم مہیا کی۔ اس ٹیم کا ایک ایک کھلاڑی ان کا تربیت یافتہ تھا جس نے ان کے بعد بھی حمید نظامی کے حریتِ فکر کے پرچم کو سرنگوں نہ ہونے دیا۔ شہر یاروں کی طرف سے اسی کے باعث حمید نظامی کو صحافت کا ماہتاب قرار دینا بالکل بجا تھا۔

بلاشبہ حمید نظامی ایک کرشماتی صفات کا حامل اخبار نویس تھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ اگر متوسط طبقے سے کوئی شخص اپنی محنت' خلوص اور لگن کے نتیجے میں معاشرے میں اپنا مقام بنانے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے بڑے بڑے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی کاسہ لیسی کی بجائے اعلائے کلمۃ الحق کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا تو نہ صرف مفاد پرست اور نچلے طبقے بلکہ خود متوسط کلاس کے لوگوں نے بھی اس سے خار کھانا اور اس کی مخالفت کرنا شروع کر دی۔ حمید نظامی کو بھی قیامِ پاکستان کے بعد جمہوری روایات کی پاسبانی اور حریتِ فکر کی آزادی کی جنگ میں ایسے ہی حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر یہ

Marfat.com

ان ہی کا حوصلہ تھا کہ انہوں نے اپنے وقت کے بڑے بڑے لجکلاہوں کی کرتوتوں کو طشت از بام کیا اور اپنے خلاف سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی طرف سے کی جانے والی سازشوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ وہ پاکستان کے واحد صحافی تھے جن کو حصول آزادی کے ابتدائی ایام میں حضرت قائداعظم کی وفات کے بعد حکمرانوں نے ان کی بیباکانہ تحریروں سے عاجز آ کر وزارتوں اور دیگر عہدوں کی پیشکش کی۔ مگر حمید نظامی نے ایسی ترغیب و تحریص کو بری طرح ٹھکرا دیا۔ ان کو نیچا دکھانے کی تمام سازشیں دم توڑ جاتی رہیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حمید نظامی کے قلم کی دھاک بیٹھ گئی۔ ان کی باتیں عوام میں تحریک بن جاتیں اور محلات کے رہنے والوں پر ان کی تحریریں لرزہ پیدا کر دیتیں۔ یہی وجہ ہے کہ دور آمریت میں ان کی نگارشات کا چرچا رہا۔ قریہ قریہ ان کا ڈنکا بجا۔ بڑے بڑے حکمران اور بیوروکریٹ ان کی تحریروں کی چوٹ پر تڑپ کر رہ جاتے' وزارتیں لرز کر رہ جاتیں۔ اپنے عہد میں حمید نظامی میدان صحافت کے دیگر شہسواروں کے مقابلے میں نو آموز تھے مگر سب میں نمایاں تھے۔ جب تک زندہ رہے ان کے قلم نے مسندنشینوں اور اس کے حاشیہ برداروں کو لرزا رکھا تھا اور قلم کے معاملے پر تو کسی مصلحت اور مفاہمت کے قائل ہی نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شیر کا دل' اعلیٰ دماغ' عمیق سوچ کا حامل ذہن اور ناقابل تسخیر ولولہ ودیعت کر رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے روزنامہ ''نوائے وقت'' کو اپنی سوچ و فکر اور قلم سے ایک تحریک اور ایک منظم ادارے میں ڈھال دیا تھا۔ صوبائی سطح کے بیوروکریٹس اور وزراء کو تو گھاس تک نہیں ڈالتے تھے۔ وفاقی وزراء میں سے بھی قومی سوچ رکھنے والے دو ایک سے راہ و رسم رکھتے تھے۔ دوستوں میں بیٹھے ہوتے تو وزراء کیا وزیراعظم تک کو ملنے کا وقت دینے سے معذرت کر لیتے۔ جس کسی بڑے افسر یا وزیر کی پالیسی کو عوام اور ملک دشمن سمجھتے ان سے معانقہ تک کرنے سے انکار کر دیا کرتے مگر شرافت کی قدر کرتے تھے۔ محنت کا اعتراف محنتی' ایماندار اور قومی سوچ رکھنے والے اہل صحافت کی حوصلہ افزائی اور ان کی ہمت بندھانا ان کا شعار تھا۔

3 جنوری 1915ء کو سانگلہ ہل (ضلع شیخوپورہ) میں پیدا ہونے والے حمید نظامی نے وہیں کے گورنمنٹ ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا وہ نہ صرف سکول بھر میں اول رہے بلکہ انہوں نے وظیفہ بھی حاصل کیا۔ والدین نے عبدالحمید نام رکھا تھا مگر وہ حمید نظامی کے نام سے معروف ہوئے۔ حمید نظامی کے والد ماجد کا نام میاں محمد دین تھا جو اوائل جوانی میں محکمہ ڈاک

84083

Marfat.com

میں ملازم رہے اور کچھ عرصہ شاہ کوٹ کا ڈاکخانہ چلاتے رہے۔ بعد میں سانگلہ ہل میں انہوں نے صابن کا کاروبار کیا۔ انہیں برصغیر پاک وہند کے نامور روحانی پیشوا حضرت خواجہ نظام الدین سے بے پناہ عقیدت ولگاؤ تھا۔ انہی سے عشق کی حد تک لگاؤ کے باعث میاں محمد دین نے اپنے نام کے ساتھ نظامی لگایا۔ گویا یہ ان کی طرف سے حضرت نظام الدین اولیاء سے عشق ومحبت کی بنیاد پر غائبانہ بیعت کا ثبوت تھا۔ اسی مناسبت سے ان کے بیٹوں نے بھی نظامی کو اپنے نام کا حصہ بنایا۔ حمید نظامی اپنے چھ بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ حمید نظامی کے دیگر تین بھائیوں میں بشیر نظامی، تیسرے مجید نظامی اور چوتھے خلیل نظامی تھے جبکہ دو بہنوں کے نام سرداراں بی بی اور طلعت اکبر تھے۔ حمید نظامی نویں جماعت میں تھے جب ان کی جماعت میں رحمت اللہ نام کا ایک لڑکا داخل ہوا۔ رحمت اللہ گورنمنٹ اینگلو ورنیکل مڈل سکول شاہ کوٹ سے آٹھویں جماعت پاس کر کے آیا تھا چونکہ شاہ کوٹ کے آس پاس کوئی ہائی سکول نہیں تھا اس لئے رحمت اللہ کے والدن نے اپنے بیٹے کو سانگلہ ہل کے ہائی سکول میں داخل کرایا اور رحمت اللہ نے سکول سے ملحقہ ہوسٹل میں رہائش اختیار کی۔ رحمت اللہ کو اپنی پوری جماعت میں جس خاموش طبع، سنجیدہ اور اپنے کام سے کام رکھنے والے نظم وضبط کے پابند ہم جماعت نے متاثر کیا وہ حمید نظامی تھے جو سکول میں عبدالحمید نظامی کے نام سے جانے جاتے تھے۔ رحمت اللہ شاہ کوٹ کے نواحی گاؤں کوٹ نظام دین کے رہنے والے تھے۔ اسی گاؤں میں ان کے والد کھیتی باڑی کرتے تھے۔ یہ وہی رحمت اللہ تھے جو بعد میں پاکستان کے افق سیاست پر بائیں بازو کے پختہ کار سیاسی رہنما بن کر ابھرے اور سی آر اسلم (چوہدری رحمت اللہ اسلم) کے نام سے معروف ہوئے۔ بہر حال چوہدری رحمت اللہ اسلم اور حمید نظامی میں انہی دنوں گہری دوستی کا آغاز ہوا۔ حمید نظامی اور رحمت اللہ کو اپنے سکول کے جن فاضل اساتذہ کی تربیت میسر آئی ان میں اپنے دور کے مجتہد العصر باقر نقوی بھی شامل تھے جو اردو اور فارسی کے نامور اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے تمام دیگر اساتذہ بھی حمید نظامی کی شرافت، ذہانت اور قابلیت کے معترف تھے اور تعلیمی میدان میں ان کی ہر ممکن رہنمائی کیا کرتے۔

1934ء میں میٹرک کے امتحان کے نتائج نکلنے پر دونوں دوست حمید نظامی اور چوہدری رحمت ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ رحمت اللہ تو اپنے گاؤں چلے گئے جبکہ حمید نظامی کو ایک

Marfat.com

سکالرشپ ہولڈر ہونے کی بنا پر زرعی کالج فیصل آباد میں نہ صرف داخل کیا گیا بلکہ زرعی کالج فیصل آباد (جو ان دنوں لائلپور تھا) کے پروفیسر ایس اے رحمان نے حمید نظامی کو کالج میں داخل کر کے کالج ہوسٹل میں فری رہائش بھی دلا دی۔ مگر حمید نظامی نہ صرف علم وادب سے لگاؤ رکھتے تھے بلکہ زندگی میں کچھ کر گزرنے کا عزم بھی کئے ہوئے تھے۔ اس لئے زرعی کالج کے ماحول سے جلد ہی اکتا گئے۔ انہوں نے زرعی کالج کے ماحول اور اس کی تدریس کو اپنے مزاج اور عزائم کے مطابق نہ پایا۔ قدرت نے تو ان کے لئے اس سے کہیں مختلف قسم کی جولانگاہ منتخب کر رکھی تھی۔ چنانچہ حمید نظامی نے اسی جولانگاہ کی جستجو میں زرعی کالج فیصل آباد کو خیر باد کہہ دیا اور مرکز علم و ادب و سیاست لاہور کا رخ کیا۔

لاہور ان کے لئے اجنبی اور وہ لاہور سے ناواقف تھے۔ انہوں نے اسلامیہ کالج لاہور کا نام ہی سن رکھا تھا۔ صرف اتنا علم رکھتے تھے کہ یہ کالج ریلوے روڈ پر واقع ہے۔ مگر ریلوے روڈ کہاں ہے اس بارے میں قطعی طور پر لاعلم تھے۔ فیصل آباد سے سانگلہ ہل آ کر لاہور روانہ ہونے سے پہلے انہوں نے اپنے ایک ایسے کلاس فیلو کا اپنے گھر سے پتہ حاصل کیا جو اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے ریواز ہوسٹل میں مقیم تھے۔

اکتوبر 1934ء کی ابتدائی تاریخیں تھیں جب حمید نظامی لاہور آئے۔ پوچھتے پچھاتے اسلامیہ کالج پہنچے وہاں سے ریواز ہوسٹل گئے جہاں ان کے دوست اقامت پذیر تھے۔ سکول کے دوست حمید نظامی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس نے حمید نظامی کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ حمید نظامی نے اسلامیہ کالج میں داخلے کی خواہش کا اظہار کیا تو دوست نے بتایا کہ سال رواں کے داخلے مکمل ہوئے تقریباً تین ماہ گزر چکے ہیں۔ پھر وہ خود بھی اس کالج میں نووارد تھا۔ مگر اس نے حمید نظامی کو تسلی دی کہ اگلی صبح کسی نہ کسی سے بات کریں گے اور جب تک داخلہ نہیں مل جاتا آپ میرے ساتھ ہوسٹل میں میرے مہمان ہوں گے۔ حمید نظامی کو دیرینہ دوست کے ان الفاظ سے بڑی ڈھارس ملی۔

اگلے روز حمید نظامی اسلامیہ کالج ریلوے روڈ گئے۔ اس وقت ان کی حالت ایک ایسی کشتی کے سوار کی سی تھی جو طوفان بادو باراں کے بغیر تیز وتند موجوں کے رحم وکرم پر بہاؤ کے رخ پر بہے جا رہی ہو اور اس کا سوار کناروں کو حسرت و یاس بھری نظروں سے دیکھتا ہوا خدا تعالیٰ سے کسی غیبی مدد کی

Marfat.com

آس لگائے ہوئے ہو۔

حمید نظامی کالج پرنسپل سے ملے۔ سٹاف روم میں اپنے دوست کے ساتھ بعض پروفیسروں اور دفتری عملے سے رجوع کیا مگر سبھی کی طرف سے یہی کہا گیا کہ داخلے کی تاریخ گزر چکی ہے اب داخلہ ممکن نہیں۔ ایسے میں کوئی اور ہوتا تو دل برداشتہ ہوکر مایوسی و بے چارگی کے عالم میں واپس لوٹنے کی سوچتا۔ کیونکہ ایک دور افتادہ علاقے سے آئے ہوئے اجنبی کے پاس نہ کوئی سفارش تھی نہ شہر کی کسی بااثر و بارسوخ شخصیت سے واقفیت۔ مگر ایسے حوصلہ شکن حالات میں بھی حمید نظامی نے ہمت نہ ہاری۔ نہ ان کے عزم میں کوئی فرق آیا۔ ان کے سر پر ایک ہی دھن سوار رہی کہ کسی نہ کسی طرح سال اول میں داخلہ لینا ہے مگر یہ بظاہر ناممکن کام کس طرح ممکن ہوگا۔ حمید نظامی کے قلب و ذہن میں اس بارے میں کوئی خاکہ نہیں تھا۔ حمید نظامی ایک نامعلوم امید کے سہارے علی گڑھ طرز کا کھلے پائینچے کا پاجامہ، اچکن اور سر پر ترکی ٹوپی پہنے متواتر تین چار یوم کالج کے مختلف اساتذہ سے مل کر اپنا مدعا بیان کرتے رہے۔ ایسی ہی ملاقاتوں کے نتیجے میں انہیں یہ معلوم ہوا کہ سید امتیاز علی تاج ایک بارسوخ شخصیت ہے اگر وہ زوردار انداز میں سفارش کردیں تو انہیں داخلہ مل سکتا ہے۔

مگر سید امتیاز علی تاج؟

کون ہیں؟ کیا ہیں؟

کہاں رہتے ہیں؟ کیسی طبیعت رکھتے ہیں؟

ملاقات کے لئے وقت بھی دیں گے یا نہیں؟

ایسے ان گنت سوالات ان کے ذہن میں ابھرنے اور ڈوبنے لگے مگر ان سے پریشان ہوئے بغیر انہوں نے کالج ہی کے ایک پروفیسر سے معلوم کرلیا کہ سید امتیاز علی تاج مزنگ چونگی کے قریب فلاں کوٹھی میں رہائش رکھتے ہیں۔ حمید نظامی کالج سے نکلے اور پیدل ہی انہوں نے مزنگ چونگی چوک کا رخ کیا۔ جب وہ شاہراہ قائداعظم (اس وقت کی مال روڈ) پر ریگل چوک عبور کرکے ٹمپل روڈ (آج کل حمید نظامی روڈ) پر جارہے تھے کہ چوک صفانوالہ کے قریب ایک سائیکل عین ان کے ساتھ آکر رکی جس پر ان کی عمر کا ایک سرخ و سپید لڑکا سوار تھا۔ جس نے سائیکل سے اتر کر حمید نظامی کو السلام علیکم کہا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ حمید نظامی نے

Marfat.com

اپنے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات ظاہر کئے بغیر سلام کا جواب دیتے ہوئے نوجوان کے بڑھے ہوئے ہاتھ میں اپنا دایاں ہاتھ دے دیا۔

Marfat.com

روشنی کی کرن

☆ سائیکل سوار کی لفٹ

☆ مسرت کے آنسو

Marfat.com

درحقیقت یہ برصغیر کا وہ دور تھا جب کفرستانِ ہند میں حکیم الامت علامہ اقبال کے کلام کی گونج سنائی دے رہی تھی اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں میں سیاسی بیداری کے آثار ہویدا ہونے لگے تھے۔ ان میں مذہبی عصبیت کا جذبہ ابھر رہا تھا۔ ایسی ہی فضا کے نتیجے میں اسلامیان ہند کی نوجوان پود میں ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہو کر غموں اور پریشانیوں کو آپس میں بانٹنے کا رجحان تیزی سے پرورش پا رہا تھا۔ مسلمان نوجوانوں بالخصوص کالجوں میں زیر تعلیم لڑکوں کی اکثریت کے دلوں میں ہندوؤں کے مقابلے میں مسلم نوجوانوں کے مسائل کو سمجھنے اور انہیں حل کرنے کی لگن پیدا ہو چکی تھی۔ یہی وہ محرکات تھے جن کی بنیاد پر اسلامیہ کالج میں گزشتہ تین چار یوم سے مختلف جگہوں کے چکر کاٹنے والے حمید نظامی کو دیکھ کر امجد حسین سید نے سائیکل روک لی تھی۔ امجد حسین سید اسی کالج میں سال اول کے طالب علم تھے۔

امجد حسین سید نے حمید نظامی سے مصافحہ کرنے کے بعد پوچھا ''میں آپ کو تین چار دنوں سے کالج میں آتے جاتے دیکھ رہا ہوں۔ آج بھی آپ برآمدوں میں چکر لگا رہے تھے۔ اب یہاں دیکھا تو پہچان گیا کہ آپ وہی ہیں۔ اب آپ کہاں جا رہے ہیں؟

''مجھے مزنگ چونگی کے قریب جانا ہے'' حمید نظامی گویا ہوئے۔

''مناسب سمجھیں تو میں آپ کو مزنگ چونگی تک ''لفٹ'' دے سکتا ہوں، میں اسی راستے سے گھر جا رہا ہوں آیئے تکلف نہ کیجئے''۔

حمید نظامی نے غیر جذباتی انداز میں پیش کش کرنے والے کو دیکھا کہ دوسرے لمحے اپنائیت اور محبت بھرے لہجے میں یہ آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

''آیئے اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔ بیٹھئے'' اور دوسرے لمحے حمید نظامی سائیکل کے کیریئر پر بیٹھ گئے۔ سائیکل مزنگ چونگی کی طرف رواں ہوگئی۔

مزنگ چونگی چوک پہنچنے پر سائیکل رکی۔ حمید نظامی کیریئر سے اترے۔ ہاتھ میں پکڑی نوجوان کی دو تین کتابیں انہوں نے کیریئر کے سپرنگ کی تار کے نیچے ابھی اٹکائی ہی تھیں کہ اپنائیت بھرے لہجے میں ابھرنے والی آواز نے انہیں ایک بار پھر اپنی طرف متوجہ کرایا۔

Marfat.com

''اب کہاں جانے کا ارادہ ہے؟''۔

''میں نے یہاں جلال الدین صاحب کی کوٹھی میں جا کر سید امتیاز علی تاج صاحب سے ملنا ہے''۔حمید نظامی نے جواب دیا۔

''اچھا پھر مجھے اجازت ہے''۔۔۔نوجوان نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔۔۔مگر اس دفعہ حمید نظامی کے دل میں خدا معلوم کیا آیا کہ انہوں نے مصافحہ کرنے کی بجائے ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر لاتے ہوئے کہا ''ہو سکے تو آپ بھی میرے ساتھ چلیں''۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں' میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں''۔۔۔سید امتیاز علی تاج سے حمید نظامی نے کس مقصد کے لئے ملنا ہے یہ جانے بغیر نوجوان نے ان کا ساتھ دینے کی حامی بھر لی۔

دونوں نے جلال الدین کی کوٹھی کے بارے میں دریافت کر کے ادھر کا رخ کیا۔دونوں صدر دروازے سے کوٹھی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک مختصر سے سبزہ زار میں ایک خاتون پرندوں کو دانہ ڈال رہی تھی۔وہ بیگم حجاب امتیاز علی تھیں۔دونوں نے آگے بڑھ کر بڑے ادب سے انہیں سلام کیا اور مودبانہ لہجے میں کہا کہ ''ہم جناب امتیاز صاحب سے ملنے آئے ہیں؟''۔

بیگم صاحبہ نے ایک اچٹتی ہوئی نظر دونوں پر ڈالی اور پھر پرندوں پر توجہ دیتے ہوئے جواب دیا ''امتیاز صاحب گھر پر نہیں ہیں''۔

''وہ کب تشریف لائیں گے؟''۔انہوں نے پوچھا۔

مگر ان کو کوئی جواب نہ ملا۔بیگم صاحبہ پرندوں کو دانہ ڈالنے ہی میں مگن رہیں۔اور اس کے بعد دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے چند لمحے کھڑے ہو کر واپس سڑک پر آ گئے۔

''بیگم صاحبہ نے تو یہ بھی نہیں کہا کہ امتیاز صاحب فلاں وقت آئیں گے یا آپ انتظار کر لیں''۔حمید نظامی نے افسردہ لہجے میں اپنے ساتھی سے کہا۔نوجوان کے پاس گویا اس کا کوئی جواب نہ تھا۔وہ حمید نظامی کے چہرے پر نظریں گاڑھنے کے سوا اور کچھ نہ کہہ سکا۔

حمید نظامی کی بوجھل پلکیں ان کے دلی ملال کی چغلی کھا رہی تھیں جبکہ اس کے نوجوان ساتھی کو اس بات کی قطعاً خبر نہیں تھی کہ جس کو اس نے لفٹ دی اور جلال الدین کی کوٹھی تک ساتھ آیا وہ کس مقصد کے لئے سید امتیاز علی تاج سے ملنے کا خواہاں ہے۔اور اس کے کالج کے برآمدوں میں چکر لگانے کی وجہ کیا ہے؟

Marfat.com

اسی ادھیڑ بن میں سائیکل تھامے نوجوان نے پوچھا۔

''میں نے آپ کا نام تو پوچھا ہی نہیں؟''۔

''میرا نام حمید نظامی ہے......''۔

''مجھے امجد حسین کہتے ہیں''۔

یہ وہی امجد حسین تھے جو بعد میں فوج میں چلے گئے اور کرنل کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ جن کے ایک بیٹے مشاہد حسین سید' میاں نواز شریف کی وزارت عظمیٰ کے دور میں سینٹر بنے اور وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات رہے۔ کرنل امجد حسین سید 1968ء میں فوج سے ریٹائر ہوئے۔

بہرحال ابتدائی تعارف کے بعد امجد حسین نے حمید نظامی سے پوچھ ہی لیا'' آپ لاہور میں کہاں رہتے ہیں؟ امتیاز علی تاج سے کس سلسلے میں ملنا تھا اور کالج میں گذشتہ تین چار دنوں سے کیوں چکر لگا رہے ہیں؟''۔

''دراصل میں سانگلہ ہل سے اسلامیہ کالج میں داخلہ کے لئے آیا ہوں۔ اسی سلسلے میں تاج صاحب سے ملنے آیا تھا۔ زیواز ہوسٹل میں اپنے ایک دوست کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہوں''۔ حمید نظامی نے امجد حسین کے چہرے پر نظریں گاڑھتے ہوئے جواب دیا۔

''اچھا تو آپ داخلہ کے سلسلے میں پریشان ہیں۔ اگر آپ برا نہ منائیں اور مناسب سمجھیں تو آج آپ میرے مہمان ہوں...... میرے ساتھ گھر چلیں...... وہاں اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں گے اور داخلہ کے بارے میں سوچیں گے...... ضرور کوئی سبیل نکل آئے گی...... اور صبح اکٹھے کالج آجائیں گے...... بتائیے آپ کی کیا رائے ہے؟''۔ امجد حسین نے رک رک کر کہا۔

یہ سن کر حمید نظامی قدرے اور سنجیدہ ہو گئے اور انہوں نے بدستور امجد حسین کے چہرے پر نظریں جمائے رکھیں۔ امجد حسین انہیں سوچ میں ڈوبا دیکھ کر ملائمت سے بولے۔

''آپ باہر سے آئے ہوئے ہیں' اگر میں آپ کے کسی کام آسکوں تو مجھے دلی مسرت ہو گی۔ کوئی ہرج نہیں ہے۔ زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں...... آئیے چلیں''۔

حمید نظامی کو امجد حسین کے لہجے میں بھرپور اپنائیت اور ہمدردی کا احساس ہوا۔ انہوں نے نظریں قدرے جھکاتے ہوئے خفیف سی مسکراہٹ لبوں پر لا کر اتنا کہا...... ''اچھا چلئے''۔

دونوں سائیکل پر ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے چند ہی منٹوں میں مسلم ٹاؤن پہنچ گئے۔

Marfat.com

امجد نے بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے گھر کا دروازہ کھول کر حمید نظامی کو کمرے میں بٹھایا۔ ہاتھ منہ دھو کر دونوں نے کھانا کھایا۔

اس وقت تک حمید نظامی کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ جس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے لاہور کا رخ کیا ہے اس کے حصول میں اس کا ایک اجنبی میزبان اہم کردار ادا کرے گا۔ کھانا کھانے کے بعد سے لے کر دونوں رات گئے تک ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔ امجد حسین کو معلوم ہوا کہ ان کے مہمان نے گورنمنٹ ہائی سکول سانگلہ ہل سے میٹرک کا امتحان امتیازی نمبروں میں پاس کر کے یونیورسٹی سکالرشپ حاصل کیا ہے اور اسی بنیاد پر زرعی کالج لائل پور (فیصل آباد) میں اسے داخلہ ہی نہیں دیا گیا بلکہ کالج کی طرف سے ہوسٹل کی فری سہولت بھی دے دی گئی ہے مگر حمید نظامی کو زرعی معاملات و ماحول سے کوئی دلچسپی نہیں۔ بنیادی طور پر ان کا رجحان علم و ادب کی طرف ہے اس لئے وہ اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لینے کے لئے لاہور آ گئے ہیں۔

گفتگو کے دوران جب حمید نظامی نے یاس انگیز لہجے میں یہ کہا ''امجد صاحب یہاں آ کر مجھے معلوم ہوا ہے کہ داخلوں کی تاریخ گزر چکی ہے' داخلے بند ہو چکے ہیں۔ ایک موہوم سی امید پیدا ہوئی تھی جب کالج کے ایک پروفیسر نے اتنا کہا تھا کہ سید امتیاز علی تاج بڑے باا ثر آدمی ہیں۔ اگر وہ پرزور انداز میں سفارش کر دیں تو شاید داخلہ ہو جائے۔ میری ان سے کوئی شناسائی نہیں پھر بھی ایک موہوم سی امید دل میں لے کر ان سے ملنے چلا گیا۔ آپ تو میرے ساتھ تھے۔ وہ تو آپ نے دیکھ ہی لیا کہ تاج صاحب کا ملنا کس قدر مشکل ہے''۔

امجد حسین کا دل پسیج گیا' بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ایک سکالرشپ ہولڈر مسلمان کو بھی اسلامیہ کالج میں داخلہ لینے میں اس قدر مشکلات ہیں۔ اپنے سر کو جھٹکا دیتے ہوئے بولے:

''میرے بھائی آپ نے درست طور پر لاہور میں داخلہ لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ کا یہ کہنا بھی درست ہے کہ داخلوں کی تاریخ گزر چکی ہے مگر آپ اس سے اتفاق کریں گے کہ دنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں ہے۔ مانا کہ کالج میں سال اول کی کلاسیں لگ چکی ہیں' ماہ اکتوبر کا وسط آ پہنچا ہے...... جہاں تک امتیاز علی تاج صاحب کا معاملہ ہے وہ لاہور ہی میں رہتے ہیں' ان سے

Marfat.com

نہ ور ملنے کی کوشش کریں گے۔ مگر اس کے علاوہ ہم خود بھی ہاتھ پاؤں ماریں گے۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ آپ میرے کہنے اور اصرار پر غریب خانے پر آ گئے اور مجھے ساری بات معلوم ہو گئی۔ اب آپ کو ہم نے چاہا تو لاہور سے جانے نہیں دیا جائے گا۔ داخلہ کی پوری کوشش کی جائے گی۔ آپ مطمئن ہو جائیں۔''

حمید نظامی کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنے میزبان امجد حسین کی باتوں پر یقین کرتے تاہم امجد حسین کے تسلی دینے اور داخلے کی امید دلانے پر حمید نظامی گہری نیند سوئے۔ صبح اٹھ کر دونوں نے ہاتھ منہ دھویا' ناشتہ کیا اور سائیکل پر کالج آ گئے۔

ان دنوں اسلامیہ کالج میں پروفیسر غلام حسین ڈین آف دی انٹرمیڈیٹ ایگزیمینیشن تھے جو نہایت قابل' زیرک اور انتہائی شریف انسان تھے۔ وہ پاکستان کے مایہ ناز کرکٹر' اوول کے ہیرو فضل محمود کے والد گرامی تھے اور اسلامیہ کالج میں ایف اے تک کی جماعتوں میں وہی داخلے کے کرتا دھرتا تھے۔ سید امجد حسین کے بزرگوں سے پروفیسر غلام حسین کے گہرے مراسم بھی تھے۔ جبکہ پروفیسر غلام حسین کالج کے اسی ٹیوٹوریل گروپ کے انچارج تھے جس ٹیوٹوریل گروپ کے اسسٹنٹ سیکرٹری امجد حسین تھے۔ ان دنوں ٹیوٹوریل گروپ کی ہیئت ترکیبی کچھ اس طرح ہوا کرتی تھی کہ تھرڈ ایئر کا طالب علم گروپ کا سیکرٹری اور سال اول کا طالب علم اسسٹنٹ سیکرٹری ہوا کرتا تھا مگر دونوں اپنی اپنی جماعت سے باقاعدہ منتخب ہو کر آیا کرتے تھے۔ چنانچہ امجد حسین نے سب سے پہلے پروفیسر غلام حسین سے حمید نظامی کے داخلے کے سلسلے میں بات کی۔ پروفیسر صاحب کو بتایا کہ حمید نظامی میٹرک میں سکالرشپ ہولڈر ہے' زرعی کالج میں اسے خود بخود کالج والوں نے داخلہ دے کر ہوسٹل میں مفت رہائش کی سہولت فراہم کی ہے مگر وہ اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کی مدد چاہئے......

پروفیسر غلام حسین نے بڑے غور سے امجد حسین کی بات سنی اور اس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ ''ایک مسلمان سکالرشپ ہولڈر کو اسلامیہ کالج میں ضرور داخلہ ملنا چاہئے''۔ مگر قدرے افسردہ لہجے میں بولے ''برخوردار اصول وضوابط کے تحت اب تمہارے دوست کا اس سال داخلہ ممکن نہیں''۔ امجد حسین دیگر لوگوں کی طرح یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ پروفیسر غلام حسین سے قواعد وضوابط کے برعکس کوئی کام کرانا کار دارد ہے۔ جب انہوں نے حمید نظامی کے داخلے کے

Marfat.com

لئے کچھ کرنے پر اصرار کیا تو پروفیسر غلام حسین کا جواب تھا۔

''بیٹا مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ ایک انتہائی قابل اور سکالرشپ ہولڈر طالب علم کو اب داخلہ نہیں مل سکتا۔ کیونکہ کلاسیں شروع ہو چکیں اور حاضریاں لگ چکی ہیں مجھے سخت افسوس ہے کہ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کرسکتا......''۔

امجد نے حمید نظامی کو ان کے دوست کے کمرے میں ریواز ہوسٹل بھیج دیا کہ وہ جا کر وہاں آرام کریں۔ اور خود کالج کے دفتر کی طرف نکل گیا۔ جہاں وہ ہیڈ کلرک قاضی سعید احمد سے جا کر ملے۔ قاضی سعید احمد اسلامیہ کالج کی جان پہچانی قابلِ احترام اور تیز طرار شخصیت تھے۔ پاجامہ کرتہ کے ساتھ شیروانی اور سر پر رومی ٹوپی پہنا کرتے تھے۔ قاضی سعید احمد قریباً ایک تہائی صدی تک اسلامیہ کالج کے دفتر کے انچارج رہے۔ جب امجد حسین، قاضی سے حمید نظامی کے داخلے کے سلسلے میں جا کر ملے تو اس وقت ڈاکٹر بی اے قریشی اسلامیہ کالج کے پرنسپل اور ایم اے غنی وائس پرنسپل تھے۔ کالج کا تدریسی عملہ وقت کے ممتاز ماہرین تعلیم اور علم دوست اشخاص سے عبارت تھا۔ ان میں پروفیسر حمید احمد خان، خواجہ دل محمد، مولانا علم الدین سالک، ڈاکٹر محمد باقر، پروفیسر عبدالواحد اور پروفیسر آذری ایسے نامور لوگ شامل تھے۔ پروفیسر عبدالواحد شعبہ انگریزی کے سربراہ خواجہ دل محمد حساب اور پروفیسر علم الدین سالک فارسی اور اردو پڑھایا کرتے تھے۔ آسمان علم و ادب کے ان ستاروں کی موجودگی میں اسلامیہ کالج کا ماحول بڑا ہی علمی و ادبی اور پاکیزہ تھا۔ حمید نظامی کے علم میں بھی یہ باتیں آچکی تھیں اسی لئے وہ ہر سانس کے ساتھ کالج میں داخلے کی بارگاہ رب العزت میں دعائیں کرتے۔ امجد حسین چونکہ ایک ٹیوٹوریل گروپ کے اسسٹنٹ سیکرٹری بن چکے تھے ویسے بھی وہ میل ملاقات والے طالب علم تھے اس لئے چند ہی ہفتوں میں اکثر پروفیسروں سے ان کی اچھی خاصی علیک سلیک ہو چکی تھی۔ دفتر کے ہیڈ کلرک قاضی سعید احمد بھی اسی وجہ سے نہ صرف انہیں جانتے تھے بلکہ ان کے بزرگوں سے بھی واقف تھے۔ قاضی سعید احمد کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ انہیں ٹیڑھے سے ٹیڑھا معاملہ بھی سیدھا کرنے کا گر آتا ہے کیونکہ دفتری داؤ پیچ اور اسرار و رموز سے پوری طرح واقف ہیں۔ امجد حسین نے قاضی سعید سے حمید نظامی کے داخلے کی بات کی۔ پہلے تو قاضی سعید نے بات مذاق میں اڑا دی اور کہا کہ ''امجد یہ کام نہیں ہوسکتا، داخلے ہو چکے، جذبات میں نہیں آیا کرتے۔ اپنے دوست کو

Marfat.com

سمجھادواب تو کلاسیں بھی لگ چکی ہیں......''۔

''مگر قاضی صاحب آپ جیسے طلباء کے ہمدرد کب کام آئیں گے بزرگوں اور سرپرستوں کا تو کام ہی یہی ہے کہ آزمائش کی گھڑی میں بچوں کے کام آئیں......''۔

''اچھا بھئی میں کوشش کروں گا'' قاضی سعید نے فوری طور پر پیچھا چھڑانے کے لئے امجد سے کہہ دیا۔

''مگر قاضی صاحب یہ کام کرنا ہے اور آپ ہی کو کرنا ہوگا' میں کل پتہ کرنے آؤں گا......''۔ یہ کہہ کرامجد دفتر سے نکل کر سید ھار یواز ہوسٹل گئے جہاں انہوں نے مایوس اور پژمردہ حمید نظامی کو جا کر حوصلہ دیا۔

حمید نظامی کی زندگی کے یہ ایام امید وبیم اور مایوسیوں اور پریشانیوں سے عبارت تھے۔ امجد حسین کی شکل نظر آتے ہی وہ خوشی کی خبر سننے کے لئے بے چین سے ہو جایا کرتے۔ اور ایسی خبر نہ پا کر وہ پھر وسوسوں اور خدشات کے سمندر میں ہچکولے کھانے لگتے۔ مگر امجد ایک طرف ہر روز انہیں جا کر ملتا ان کو لے کر کالج کینٹین میں آتا' چائے پیتے پھر واپس چھوڑنے جاتا اور اس کے علاوہ دن میں دو تین بار کالج کے دفتر جا کر قاضی سعید سے ملتا۔ اور پھر ایک روز قاضی سعید نے امجد حسین سے وعدہ کرلیا کہ وہ حمید نظامی کے داخلے کے بارے میں پرنسپل سے بات کریں گے اور انہیں اس کے تعلیمی کیریئر سے آگاہ کریں گے۔ اس وعدے کے تیسرے روز سال اول کے کلاس روم میں دفتر کا چپراسی دیوانوں کی طرح کسی کو ڈھونڈ رہا تھا جونہی اس کی نظر امجد پر پڑی اس نے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ امجد کو باہر آنے کا اشارہ کیا اور امجد کے باہر آنے پر کہا۔ ''آپ کو قاضی صاحب نے فوری طور پر آنے کو کہا ہے''۔ امجد بات کو سمجھ گیا اور دوڑ لگا کر کالج کے دفتر کا رخ کیا۔ قاضی سعید امجد کو دیکھتے ہی پکارے ''او شاہ جی! جلدی کرو' 45 روپے فورا لیاؤ''۔

''قاضی صاحب بات کیا ہے؟''۔ امجد حسین نے پوری بات سننے کے لئے یہ فقرہ کہہ دیا۔ ''ایہہ نہ پچھو...... 45 روپے کڈھو...... تہانوں مبارک ہووے' تہاڈا دوست داخل ہو گیا اے''۔

یہ سنتے ہی امجد نے ادب کے ساتھ قاضی کے دونوں ہاتھ پکڑ کر فرط مسرت سے چوم لئے۔

Marfat.com

وہ بھاگتا ہوا کالج کینٹین پہنچا۔ راستے میں اسے یہ سمجھ آ چکی تھی کہ فرسٹ ایئر میں لیٹ فیس کے ساتھ داخلہ فیس 45 روپے تھی اور اس وقت اتنے پیسے امجد کے پاس نہیں تھے۔ کالج کینٹین (ٹک شاپ) ان دنوں ایک پہلوان جی چلاتے تھے۔ امجد کا وہاں اکثر اٹھنا بیٹھنا ہوتا تھا جس کی وجہ سے امجد اور پہلوان جی دونوں آپس میں بڑے بے تکلف تھے۔ پہلوان جی ایک شریف اور دردمند دل رکھنے والے انسان تھے۔ اکثر طالب علموں کو کسی فوری تعلیمی ضرورت کے لئے پہلوان کا وقتی طور پر مالی تعاون بھی حاصل رہتا تھا۔

جب امجد حسین دوڑتے ہوئے ٹک شاپ تک پہنچے تو اتفاق سے پہلوان جی باہر ہی بیٹھے تھے۔ انہوں نے امجد حسین سے اس طرح بھاگم بھاگ آنے کا سبب پوچھا تو امجد حسین نے ان کے سوال کا جواب دیئے بغیر کہا۔ ''پہلوان جی 45 روپے فوراً نکالئے''۔

پہلوان نے کسی توقف کے بغیر جیب میں ہاتھ ڈالا' رقم نکالی اور اس میں سے 45 روپے نکال کر امجد حسین کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ امجد حسین جس رفتار سے آئے تھے اسی رفتار سے واپس لوٹ گئے اور دفتر جا کر 45 روپے قاضی سعید کے حوالے کر دیئے۔ اور پرزور الفاظ میں ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ ''قاضی صاحب آپ نے میرے وعدہ کا بھرم اور ایک غریب کی عزت رکھ لی۔ میرے پاس شکریہ ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں ہیں''۔

''بھئی تمہاری وجہ سے کالج کو ایک سکالرشپ ہولڈر طالب علم مل گیا ہے' پرنسپل کو بڑی مشکل سے منایا ہے۔ اب جاؤ اپنے دوست کو بھی یہ خبر سنا دو''۔ یہ کہہ کر قاضی سعید نے 45 روپے متعلقہ کلرک کو دیتے ہوئے اس کی رسید بنانے کی ہدایت کر دی۔ اور امجد حسین خوشی سے تمتماتے چہرے کے ساتھ ریواز ہوسٹل کی طرف چلا گیا۔ وہ جونہی اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں حمید نظامی اپنے دوست کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ زمین پر لگے ایک بستر پر لیٹے حمید نظامی کمرے کی چھت پر نظریں جمائے گہری سوچ میں گم تھے۔ ان کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ کیونکہ وہ اس حقیقت سے ناآشنا تھے کہ مایوسی اور بیچارگی کے سائے ان کے سر سے ٹل چکے ہیں۔ امجد حسین انہیں اس حالت میں دیکھ کر قدرے لرز گئے مگر معاً انہیں یاد آ گیا کہ وہ تو حمید نظامی کو صبح نو کے طلوع ہونے کی نوید دینے آئے ہیں۔ وہ بلند آواز سے پکارے۔

''اٹھو جی...... اٹھو۔ مبارک ہو۔ داخلہ ہو گیا ہے'' یہ سنتے ہی حمید نظامی گویا ہڑبڑا کر اٹھ

Marfat.com

بیٹھے لمحہ بھر کے لئے ان پر سکتہ کی سی کیفیت طاری رہی۔ پھر یکدم اٹھے اور والہانہ انداز میں امجد حسین سے بغلگیر ہو گئے۔ ان کی آنکھیں مسرت کے آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں اور رندھے ہوئے گلے سے اتنی آواز نکل سکی۔ ''شکر خدا کا...... اور آپ کا میں کن الفاظ سے شکریہ ادا کروں''۔ انہوں نے اسی ملاقات میں اپنے دوست کو داخلہ فیس وغیرہ کے پیسے دے دیئے۔

حمید نظامی **1934**ء کو سال اول میں داخل ہو گئے اور اسی بنیاد پر سانگلہ ہل اور لاہور کے دو طالب علموں حمید نظامی اور امجد حسین سید کے مابین دوستانہ تعلقات خاندانی مراسم میں ڈھل گئے۔

❖

Marfat.com

امجد حسین سید
کے ساتھ

ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ، رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

(ریٹائرڈ)
حسین سید

Marfat.com

یہ تھا عرب ہوٹل۔!

☆ بچھڑے یار ملے

☆ فلمی جریدے سے صحافت کا آغاز

☆ شمس العلماء ممتاز علی کی صحبت میں

Marfat.com

اسلامیہ کالج میں داخلے کے بعد حمید نظامی دو روز کے لئے اپنے گھر سانگلہ ہل گئے اور انہوں نے اپنی والدہ محترمہ کو اپنے داخلے کے بارے میں بتایا۔ والدہ ماجدہ نے اپنے بیٹے کی تربیت میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ وہ اپنے نونہال کو تعلیم کے شوق میں بے قرار اور کچھ نہ کچھ پڑھتے دیکھ کر انتہائی خوش ہوا کرتی تھیں اور ہر وقت حمید نظامی کی آرزوؤں کے بھر آنے کی دعا میں مانگتی رہتی تھیں۔ یقیناً حمید نظامی کی صلاحیتوں کے نکھرنے میں جہاں ان کی ذاتی کاوشوں نے کام کیا وہاں زمانے کی رکاوٹوں کو دور کر کے کامیابی و کامرانی کی منزل سے ہمکنار کرنے میں ان کی والدہ کی دعاؤں کا بھی بڑا دخل تھا۔ ان کے والد ماجد تو اس سے بہت پہلے رحلت کر چکے تھے۔

ایک ڈیڑھ دن کے بعد والدہ نے بڑی دعاؤں کے سائے میں حمید نظامی کو اسلامیہ کالج لاہور کے لئے رخصت کیا۔ لاہور آ کر انہوں نے ہوسٹل میں داخل ہونے کی بجائے چھ لڑکوں کے ساتھ مل کر مشترکہ جگہ کرائے پر لینے کو ترجیح دی۔ چنانچہ انہوں نے مولانا عبدالستار خاں نیازی سمیت دو تین اور دوستوں سے مل کر دہلی دروازہ کے باہر سرکلر روڈ لاہور پر واقع مشہور وطن بلڈنگ میں ایک کمرہ کرائے پر لے لیا۔ جہاں چاروں نے مل کر کھانا پکانے کے لئے ایک لڑکا ملازم رکھ لیا۔ مولانا عبدالستار خاں نیازی ان دنوں بھی طرے دار نفیس قسم کی پگڑی باندھتے تھے اور اسلامیہ کالج کے شعبہ اشاعت کالج میں دینی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ کالج میں داخلے کے بعد حمید نظامی نے نصابی کتب کی بغور پڑھائی کے ساتھ ساتھ کالج میگزین میں مختلف موضوعات پر مضامین لکھنے کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ ان کی تحریروں کے تیکھے اور طنزیہ پن نے کالج میں دھوم مچا دی۔ انہی دنوں حمید نظامی نے خواجہ حسن نظامی کی تصانیف اور کلام اقبال کا مطالعہ کرنا شروع

Marfat.com

کر دیا۔ وہ تقریر کا فن بھی جانتے تھے۔ فرسٹ ایئر میں تھے کہ کالج کے مباحثوں میں اپنے فن خطابت کا لوہا منوا لیا۔ ان کی تقریریں بے جا لفاظی اور جوش و خروش سے مبرا ہوتیں مگر صاف ستھرے سیدھے سادے فقروں اور دلائل سے بھرپور ہوا کرتی تھیں۔ جو سننے والوں کے دلوں میں ترازو ہوتی چلی جاتیں۔ سامعین ان کے اس دلنشیں انداز خطاب پر مبہوت ہو جایا کرتے۔

حمید نظامی جب سیکنڈ ایئر میں آئے تو جس ٹیوٹوریل گروپ میں تھے اس میں اس وقت کے نامور صحافی مولانا عبدالمجید سالک کے بیٹے عبدالسلام خورشید (جو بعد میں ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کے نام سے پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ صحافت کے سربراہ بنے) بھی شامل تھے جو حمید نظامی سے ایک جماعت پیچھے فرسٹ ایئر میں تھے۔ ٹیوٹوریل گروپ کے سربراہ پروفیسر حمید احمد خاں تھے۔ جن کا علمی و ادبی مقام و مرتبہ کسی تعارف کا محتاج نہیں تھا۔ ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ وہ اپنے طالب علموں کے دلوں میں علم و آگہی کے چراغ روشن کرتے رہیں۔ ایک روز انہوں نے فیصلہ کیا کہ ٹیوٹوریل گروپ میں جو افسانے، مقالے اور نظمیں غزلیں وغیرہ پڑھی جاتی ہیں ان سب کو اکٹھا کر کے کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ انہوں نے اس مجلے کا نام ٹیوٹوریل گروپ کے نام ''مجلس فروغ مشرق'' کی مناسبت سے ''فروغ مشرق'' تجویز کیا اور اس مجلے کی تدوین کا کام حمید نظامی اور عبدالسلام خورشید کے ذمہ لگایا۔

اس زمانے میں اردو زبان کے منفرد اور ممتاز انداز کے سخنور مرزا اسد اللہ غالب پر دو کتابوں کا بڑا چرچا تھا۔ ایک مولانا غلام رسول مہر نے ''غالب'' کے نام سے لکھی تھی اور دوسری کتاب ''غالب نامہ'' کے نام سے شیخ محمد اکرام کے قلم سے تھی۔

پروفیسر حمید احمد خان نے حمید نظامی کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ مولانا مہر کی تصنیف ''غالب'' کا تنقیدی جائزہ لکھیں۔ اس طرح سیکنڈ ایئر کے ایک طالب علم کے لئے مولانا مہر ایسے نامور محقق اور اہل قلم کی کتاب پر تنقیدی جائزہ قلم بند کرنا بڑی آزمائش کا کام تھا۔ مگر حمید نظامی کے اس مقالے کو پروفیسر حمید احمد نے بے حد سراہا۔ گویا یہ حمید نظامی کی زندگی میں ان کے قلم سے پہلا تحقیقی مقالہ تھا۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ حمید نظامی کے دل میں لکھنے کی خواہش تیز تر ہوتی چلی گئی۔ انہوں نے اسی دوران روسی افسانہ نگاروں اور ادیبوں جن میں چیخوف اور ٹالسٹائی بھی شامل تھے کے انگریزی میں لکھے گئے افسانوں کا اردو میں ترجمہ کیا۔ ان کے یہ تراجم اس دور میں

Marfat.com

اردو کے انتہائی معتبر جریدے ہمایوں میں شائع ہوتے رہے۔ ہمایوں کے ایڈیٹر جسٹس شاہ دین کے فرزند میاں بشیر احمد بارایٹ لا تھے جو خود بھی اردو کے ایک بلند پایہ ادیب تھے۔

کالج میں مضمون نگاری اور سیاسی خطابت کا سلسلہ انہوں نے ساتھ ساتھ جاری رکھا۔ علامہ اقبالؒ اس زمانے میں کالجوں کے مسلمان طالب علموں میں ایک فکری رہنما کے طور پر نہ صرف متعارف ہو چکے تھے بلکہ نوجوان نسل کے محبوب بھی تھے۔ خاص طور پر کالجوں کے پروفیسر حضرات اور سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والے طلباء انہیں روحانی و سیاسی پیشوا کا مقام دیتے اور ان کی خدمت میں حاضری دے کر حکمت و دانائی کی باتیں سننا باعث فخر خیال کرتے تھے۔ نوجوان نسل کے علامہ اقبالؒ کے کلام سے لو لگانے اور ان سے ملاقاتوں ہی کے نتیجے میں مسلمانوں میں الحاد و دہریت کا طوفان کوئی قابل ذکر اثرات پیدا نہ کر سکا۔ حمید نظامی موقعہ ملنے پر علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کے فیضِ صحبت سے استفادہ کرتے۔

حمید نظامی کے علمی و ادبی ذوق، پر مزاح شگفتہ تحریروں اور مدلل تقریروں نے انہیں کالج کی پہچان بنا دیا تھا۔ انہی خصوصیات کی بنیاد پر انہیں کالج کے مجلہ کریسنٹ کی ادارت سونپ دی گئی۔

بیسویں صدی کا ایک تہائی حصہ گزر چکا تھا۔ برصغیر ہندوستان کے مسلمانوں کے سیاسی حالات انتہائی دگرگوں تھے۔ مسلمانوں کی بعض فعال سیاسی جماعتیں جن میں سرخ پوش، جمعیت العلمائے ہند، مجلس احرار اسلام اور علمائے دیو بند شامل تھے، کانگریس کی ہمنوائی میں مصروف تھے۔ ایسے مایوس کن ماحول میں مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کے لئے اگر کوئی ہستی فکر مند رہتی تو وہ علامہ اقبالؒ تھے۔ اور ان کی امیدیں بھی محمد علی جناح کی ذات گرامی سے وابستہ تھیں۔ انہیں اس امر کا پورا یقین تھا کہ صرف محمد علی جناح ہی ایک ایسا شخص ہے جو اپنے پرعزم جذبوں اور بے لوث کردار کی بنا پر مسلمانان ہند کی سیاسی کشتی کو منزل مراد تک پہنچا سکتا ہے۔ علامہ اپنی محفلوں میں بھی اعتماد سے فرمایا کرتے تھے کہ مسلمانوں کی قیادت جناح کے لئے مقدر ہو چکی ہے چنانچہ ایسے ہی موقع پر حکیم الامت کے اصرار پر محمد علی جناح انگلستان سے واپس ہندوستان لوٹ آئے اور انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی۔ مسلم لیگ کی از سر نو تنظیم کا آغاز کیا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں کے دورے کئے۔ اور ان دوروں کے دوران میں یہ حقیقت قائد اعظمؒ پر عیاں ہوئی کہ بیشتر صوبوں میں اگرچہ مسلمان اکثریت میں

Marfat.com

ہیں مگر سیاسی لحاظ سے انتہائی پسماندہ اور مسلم لیگ کی تنظیم سے لاتعلق ہیں۔ ایسی جگہوں پر مخالف سیاسی عناصر کا قبضہ ہے۔ حضرت قائداعظمؒ لاہور بھی تشریف لائے جہاں انہوں نے فلیٹیز ہوٹل میں قیام کیا۔ اس موقع پر سر فضل حسین اور سر شہاب الدین نے ان سے ملاقاتیں کیں۔ یہ دونوں پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کے ستون سمجھے جاتے تھے۔ ان دونوں نے حضرت قائداعظم کو تجویز پیش کی کہ مسلم لیگ انتخابات میں یونینسٹ پارٹی کا پنجاب میں مقابلہ نہ کرے۔ اس کے عوض یونینسٹ پارٹی ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ کی قیادت کو تسلیم کرلے گی۔ بھلا حضرت قائداعظم اس قسم کی سودے بازی کو کہاں قبول کرنے والے تھے۔ انہوں نے ایسا کرنے سے صاف انکار کردیا۔ اور دونوں کو واشگاف الفاظ میں باور کرادیا کہ مسلم لیگ ہی اسلامیان ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ اور اپنے اس دعوے کو وہ آئندہ انتخابات میں ثابت کرکے دکھائے گی۔

یہ بڑی عجیب بات تھی کہ ان دنوں علامہ اقبالؒ کے سر فضل حسین سے دوستانہ مراسم تو تھے مگر علامہ ان کے سیاسی خیالات سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔ وہ فضل حسین کے رویئے اور سوچ کو مسلمان قوم کے اجتماعی مفاد کے منافی خیال کرتے تھے۔

بہرحال جب 1935ء کے انتخابات ہوئے تو نتائج آل انڈیا مسلم لیگ کے لئے مایوس کن تھے۔ صرف دو مسلم لیگی امیدوار ملک برکت علی اور راجہ غضنفر علی خان ہی کامیاب ہو سکے تھے۔ ان میں سے بھی ایک امیدوار راجہ غضنفر علی خان منتخب ہوکر یونینسٹ پارٹی میں چلے گئے تھے جبکہ ملک برکت علی ہر لحاظ سے ثابت قدم رہے۔ ان انتخابات کے نتیجے میں پنجاب میں یونینسٹ پارٹی اور صوبہ سرحد میں کانگریس نے حکومتیں بنائیں۔ بنگال میں مولوی اے کے فضل الحق کی پارٹی بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئی۔ مایوسی اور بے چارگی کی ایسی فضا میں صرف ایک واحد ہستی تھی جسے خدا کی ذات پر بھروسہ اور اپنی فہم و بصیرت اور صلاحیتوں پر یہ یقین تھا کہ وہ اپنی ملت میں سیاسی بیداری پیدا کرکے اسے ایک نصب العین کی خاطر ایک پرچم تلے یکجا کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ یہ ہستی حضرت قائداعظمؒ کی ذات گرامی تھی۔

1935ء کے انتخابات کے بعد تو حضرت قائداعظمؒ نے مسلم لیگ کو عوامی سطح پر منظم کرنے کے لئے دن رات ایک کردیا۔ اس سلسلے میں انہیں حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے مشورے اور

Marfat.com

بھرپور تعاون حاصل رہا۔

انہی دنوں حمید نظامی اسلامیہ کالج میں بی اے سال آخر کے طالب علم تھے کہ سکول کے زمانے کا ایک انتہائی پرانا اور قریبی دوست انہیں ڈھونڈتا ہوا آ ملا۔ وہ سی آر اسلم تھے۔ دونوں دوست بڑے تپاک سے ایک دوسرے کو ملے۔ سی آر اسلم نے حمید نظامی کو بتایا کہ انہوں نے گاؤں ہی میں منشی فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد انگریزی میں ایف اے اور بی اے انگریزی کا امتحان پاس کیا اور اب والدین نے انہیں لاء کالج لاہور میں داخل کرا دیا ہے۔ اب وہ اپنے بھائیوں کے ہمراہ لاہور میں ہیں۔

دونوں دوست کالج سے باہر ریلوے روڈ پر واقع عرب ہوٹل میں بیٹھے اپنے بچپنے بعد کے حالات اور مستقبل کے بارے میں گھنٹوں باتیں کرتے رہے۔ اس وقت پورے لاہور میں عرب ہوٹل ہی ایسی جگہ تھی جہاں نہ صرف لاہور بلکہ بیرون لاہور سے آنے والے دانشور اہل قلم، سخنور اور بڑے بڑے اخبار نویس آ کر محفل جمایا کرتے تھے۔ جہاں علمی و ادبی بحثیں ہوا کرتیں، نظم و نثر پر بات ہوتی اور ان محفلوں میں شریک ہونے والوں میں مسلمان، ہندو وغیرہ سبھی قسم کے اہل فکر و دانش شامل ہوتے تھے۔

عرب ہوٹل اس دور میں لاہور کی ثقافتی اقدار کا امین بنا ہوا تھا۔ کیونکہ اس کے سوا پورے لاہور میں ایسی کوئی دوسری جگہ نہیں تھی جہاں ادیب، شاعر، دانشور اور دیگر اہل علم و ادب یکجا ہو کر کسی فکری موضوع پر گھنٹوں گفتگو کر سکتے۔ لے دے کے نئی انارکلی میں ایک دہلی مسلم ہوٹل تھا جو پنجاب کے مختلف اطراف سے لاہور میں آنے والے بڑے بڑے جاگیرداروں، زمینداروں اور وزیروں کی قیام گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا جو وہاں کے کمروں کے آگے برآمدوں یا لان میں پلنگوں پر بیٹھے حقہ گڑگڑایا کرتے تھے۔

عرب ہوٹل میں فکر و عمل کی قندیلیں روشن کرنے والوں میں سید امتیاز علی تاج، اختر شیرانی، ذوالفقار بخاری، چراغ حسن حسرت، سعادت حسن منٹو، پروفیسر حمید اللہ خاں، عبدالرحمن شوق، علم الدین سالک، (جسٹس) انوار الحق، ہری چند اختر، حاجی لق لق، مرتضیٰ احمد خاں میکش، ڈاکٹر محمد باقر، ڈاکٹر سید عبداللہ اور ایم اسلم وغیرہ شامل تھے۔

فکر و نظر کو جلا دینے والی ایسی محفلوں کی کشش نے حمید نظامی اور ان کے دوستوں سی آر اسلم،

Marfat.com

سید امجد حسین، باری علیگ اور عبداللہ بٹ وغیرہ کو بھی عرب ہوٹل کا روزانہ کا مہمان بنا دیا۔ یہ سبھی دوست ہوٹل میں جمی بڑے لوگوں کی محفلوں میں چپ سادھ کر بیٹھے رہتے، مختلف موضوعات پر ان کی باتیں سنتے، کبھی کبھار ان سے ایک آدھ بات پوچھ بھی لیتے۔ حمید نظامی ایسی محفلوں میں فن صحافت کے بارے میں ہونے والی باتوں کو بڑے انہماک اور غور سے سنتے کیونکہ ایسی گفتگوئیں ان کی میلان طبع کے عین مطابق ہوا کرتی تھیں۔ ایک روز اپنے دوستوں کی محفل میں وہ اپنے دل کی بات ان الفاظ میں زبان پر لائے کہ ''صحافت کے اسرار و رموز اور قواعد سیکھنے کے لئے کسی اخبار میں کام مل جائے تو بڑی اچھی بات ہے۔ ان کی اس بات کو پرانے دوست سی آر اسلم نے دل میں بٹھا لیا اور وہ اس ٹوہ میں لگے رہے کہ کسی نہ کسی طرح اپنے دوست کی اس دلی خواہش کے پورا ہونے کا موقع مل جائے۔ ان دنوں روزنامہ ''احسان'' نیا نیا جاری ہوا تھا۔ ''زمیندار'' کا طوطی بولتا تھا۔ وہ بڑے پایہ کا اخبار سمجھا جاتا تھا۔ جس میں کسی نو آموز کے لئے کام ملنا مشکل تھا۔ دوسرے ہندوؤں کے اخبارات تھے جہاں اس خواہش کی تکمیل ممکن نہیں تھی۔

1937ء کے وسط میں سی آر اسلم کو کہیں سے یہ پتہ چلا کہ سانگلہ ہل کے ایک پڑے لکھے شخص دین دیال بھاٹیہ نے لاہور سے ایک فلمی اخبار نکالا ہے۔ دین دیال بھاٹیہ ہندو تھا مگر پڑھے لکھے لوگوں کی قدر کرتا تھا۔ سانگلہ ہل کا رہنے والا تھا اور سی آر اسلم اور حمید نظامی دونوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ یہ دونوں بھی اسے جانتے تھے۔ چنانچہ دونوں ان کی رہائش گاہ گاندھی سکوائر واقع گوالمنڈی گئے۔ دین دیال بھاٹیہ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا اور دونوں کو کرسیوں پر بٹھاتے ہوئے اس نے پنجابی میں پوچھا ''کا کا تسیں ایتھے او' کس طراں آئے او؟''۔ دونوں نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''ہم دونوں یہاں کالج میں پڑھتے ہیں۔ ہمیں آپ کے لاہور آنے کے بارے میں پتہ چلا اور یہ سن کر تو بڑی خوشی ہوئی کہ آپ اپنا اخبار نکال رہے ہیں۔ اس لئے آپ سے ملنے چلے آئے......''۔

''بڑا چنگا کیتا جے''......

ابھی ان کی بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ سی آر اسلم کہنے لگے ''مجھے تو لکھنے لکھانے کا کوئی شوق نہیں یہ نظامی صاحب ہی کو ایسا شوق ستاتا رہتا ہے کہ کچھ نہ کچھ لکھتا رہوں''۔ دین دیال بھاٹیہ نے قہقہہ لگایا اور کہا: ''دسو فیر کیہ کرنا ایں''۔ ''بھاٹیہ جی نظامی صاحب کے مضامین اپنے اخبار

Marfat.com

میں چھاپ دیا کریں۔ یا پھر اخبار میں ان کی با قاعدہ کوئی ڈیوٹی لگا دیں لکھنے پڑھنے کی''۔

بھاٹیہ صاحب نے کسی حیل وحجت کے بغیر کہا: ''ایہہ گل ٹھیک اے''۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے فلمی اخبار ہفت روزہ ''چترا'' کے لئے حمید نظامی کو بعض موضوعات پر مضمون لکھنے کو کہا۔ حمید نظامی اگلے روز جب مضمون لکھ کر لائے تو دین دیال بھاٹیہ نے یہ بھانپ لیا کہ حمید نظامی کی شکل میں اسے کسی جوہر قابل سے واسطہ پڑا ہے۔ انہوں نے ''چترا'' کے شذرات حمید نظامی سے لکھوانے شروع کر دیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ''چترا'' اپنے دور کا واحد ایسا فلمی اخبار تھا جس کے اداریئے سیاسی ڈھنگ کے ہوا کرتے تھے۔ اور اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ایک عرصہ تک حمید نظامی اس کے ادارتی صفحہ کے لئے لکھتے رہے۔

گویا حمید نظامی برصغیر کا پہلا ایسا صاحب طرز انشا پرداز تھا جس نے فلمی اخبار سے باقاعدہ وابستہ ہو کر اپنی صحافتی زندگی کا آغاز کیا۔ یہ واقعہ اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ حمید نظامی زمانہ طالب علمی ہی سے اپنے شوق کی تکمیل میں کوشاں رہنے کے ساتھ ساتھ ایسے وسائل کی تلاش میں بھی رہا کرتے تھے' جس کے ذریعے وہ باعزت اور باوقار انداز سے اپنی تعلیمی ضروریات پورا کر سکیں۔

اس کے چند ہی ماہ بعد کا واقعہ ہے کہ حمید نظامی اپنے دوستوں کے ہمراہ عرب ہوٹل میں بیٹھے تھے کہ سید امتیاز علی تاج نے اپنے ہم عصروں کی محفل میں بیٹھے بیٹھے نوجوان طالب علموں سے مخاطب ہو کر بڑے ملتجیانہ انداز میں کہا: ''میرے والد صاحب آج کل ایک ڈکشنری مرتب کر رہے ہیں مگر ان کا دایاں ہاتھ کام نہیں کر رہا۔ کوئی ایسا طالب علم مل جائے جس کی املا اور ہینڈ رائٹنگ اچھی ہو' وہ والد صاحب سے ڈکٹیشن لے کر لکھ دیا کرے جو والد صاحب کی مدد ہو گی۔ اس کے عوض اس طالب علم کا بھی فائدہ ہوگا......''۔

یہ سنتے ہی سی آر اسلم اور دیگر دوستوں نے یک زبان ہو کر حمید نظامی کا نام تجویز کر دیا۔ حمید نظامی اس موقع پر خاموش رہے۔ سی آر اسلم کہتے گئے کہ حمید نظامی کی املا اور لکھائی دونوں اچھے ہیں۔ وہ اس کام کے لئے موزوں رہیں گے۔ دوستوں کے کہنے پر حمید نظامی نے بھی انکار نہ کیا۔ سید امتیاز علی تاج عرب ہوٹل سے اٹھتے وقت حمید نظامی کو اپنے والد سید ممتاز علی سے ملانے ریلوے روڈ پر واقع دارالاشاعت پنجاب کے دفتر لے گئے۔ شمس العلماء سید ممتاز علی کے ساتھ

Marfat.com

کام کرنے پر حمید نظامی کو سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سید ممتاز علی کی نگارشات (ڈکٹیشن) لکھنے سے وہ اچھی نثر لکھنے کے اسرار و رموز سے آگاہ ہو گئے' جس سے ان کے اسلوب تحریر میں مزید نکھار پیدا ہوا۔ (اور یہ سلسلہ دو تین ماہ سے زیادہ نہ چلا)۔

حمید نظامی کے بی اے کا آخری سال تھا اور سی آر اسلم ایل ایل بی میں تھے کہ ان کے مشترک دوست شیخ انوار الحق (جو بعد میں پاکستان کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس ہوئے) نے انہیں اعتماد میں لے کر کہا کہ ''یار! میں نے آئی سی ایس (انڈین سول سروس) کا امتحان دینا ہے' اس میں اردو زبان و لٹریچر کا بھی پرچہ ہے آپ دونوں اس سلسلے میں میری مدد کریں''۔

''ہم اس بارے میں کیا کر سکتے ہیں؟'' حمید نظامی نے پوچھا۔

''آپ دونوں حضرات مجھے اردو زبان و لٹریچر کے متعلق نوٹس تیار کر کے دیں''۔ شیخ انوار الحق نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

شیخ انوار الحق اس سلسلے میں بڑے متفکر تھے انہوں نے حمید نظامی اور سی آر اسلم کو آئی سی ایس کے سابقہ امتحانوں کے کچھ پرچے فراہم کر دیئے جن کو دیکھ کر چند ہی دنوں میں دونوں نے تفصیلی نوٹس تیار کر دیئے جو اردو زبان کی تاریخ' اس میں لکھے گئے افسانے' ڈرامے' ناول' شاعری اور نثر نگاری کے دیگر اسلوب کی مکمل تفصیلات سے عبارت تھے۔

اگرچہ اس وقت تک حمید نظامی اور سی آر اسلم کوئی تاریخ دان' محقق یا اردو ادب کے ماہر نہیں تھے' وہ خود بھی طالب علم ہی تھے مگر انہوں نے جس محنت' تحقیق اور لگن سے وہ نوٹس تیار کر کے شیخ انوار الحق کو دیئے تھے' انہی سے تیاری کر کے شیخ انوار الحق نے امتحان دیا اور وہ ان سے متعلق پرچوں سمیت سب میں کامیاب ہو کر آئی سی ایس ہو گئے۔

دونوں دوستوں کے یہی نوٹس بعد میں معروف پبلشر فیروز سنز لاہور کے زیر اہتمام اگرچہ ''کاروانِ ادب'' کے نام سے کتابی شکل میں طبع ہوئے مگر اس کے ٹائیٹل پر زیر نگرانی عبدالوحید خاں کے سوا مرتبین کا نام نہیں تھا۔ یہ کتاب عرصہ تک آئی سی ایس کے امیدواروں کے کام آتی رہی۔

❖

Marfat.com

حضرت قائداعظمؒ کے حضور

☆ بابائے قوم کو دعوت خطاب دینے پر شوکاز نوٹس

☆ مسلم لیگ کے لکھنو سیشن کے لئے نامزدگی

☆ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا قیام

Marfat.com

حمید نظامی پنجاب کے پہلے نوجوان طالب علم تھے جنہوں نے حضرت قائداعظمؒ کو اسلامیہ کالج کے حبیبیہ ہال میں طلباء کو خطاب کرنے کی دعوت دی۔ اس وقت ان کے ہم جماعت سید امجد حسین بھی ان کے ہمراہ تھے۔ 1936ء میں جب وہ دونوں قائداعظمؒ کی لاہور آمد پر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بابائے قوم نے ان کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے ایک اصول کی بات کہی کہ ''وہ اس امر کی کالج کے پرنسپل سے باقاعدہ اجازت حاصل کریں''۔ حمید نظامی اور امجد حسین خوشی خوشی اسلامیہ کالج گئے اور پرنسپل سے مل کر حضرت قائداعظمؒ سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ''محمد علی جناح صاحب نے ان کی دعوت کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے حبیبیہ ہال میں طلباء کو خطاب کرنے پر رضامندی ظاہر کی ہے۔ اب آپ کی طرف سے اجازت کی ضرورت ہے۔ ہم اسی لئے آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں''۔ پرنسپل علام حسین نے دونوں طالب علموں سے اس بارے میں ضابطے کی کارروائی مکمل کرنے کی خاطر انجمن حمایت اسلام کے ذمہ دار عہدیداروں سے پوچھنے کے لئے ایک یوم کی مہلت مانگی کیونکہ کالج انجمن کے زیر اہتمام چل رہا تھا۔

اس زمانے میں پنجاب پر یونینسٹ پارٹی کی حکومت تھی اور انجمن والے یونینسٹ حکمرانوں سے ڈرتے تھے۔ پرنسپل نے انجمن والوں سے رابطہ قائم کیا تو وہ پریشان ہو گئے۔ انہیں کسی صورت یہ بات گوارا نہ تھی کہ محمد علی جناح اسلامیہ کالج آ کر طلباء سے خطاب کریں۔ اس لئے انجمن کی طرف سے اس تجویز کو ناقابل عمل قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا گیا۔

قدرت اس وقت انجمن کے ایسے فیصلے پر مسکرا رہی ہو گی کہ جس عظیم شخصیت کی راہ میں

Marfat.com

رکاوٹیں کھڑی کرنے کے لئے غیروں کے ساتھ اپنے بھی مصروف ہیں بالآخر پنجاب میں اس کے نصب العین کے حصول کے راستے میں وہی مقام ''بیس کیمپ'' بنے گا جہاں آنے سے اسے روکا گیا ہے۔

انجمن حمایت اسلام کی طرف سے قائداعظم کے خطاب کے لئے حبیبیہ ہال استعمال کرنے کی اجازت نہ ملنے کے خلاف کالج کے طالب علموں میں شدید ردعمل دیکھنے میں آیا۔ احتجاج کرنے والوں کے سرخیل حمید نظامی تھے۔ اسی بنیاد پر انہیں اظہار وجوہ کا نوٹس موصول ہوا کہ انہوں نے انجمن کے فیصلے کے خلاف احتجاجی تحریک شروع کی ہے' کیوں نہ انہیں کالج سے نکال دیا جائے۔ یہ بات کالج کی چاردیواری سے نکل کر مسلم لیگی حلقوں میں عام ہوگئی۔ اس زمانے میں علامہ اقبالؒ پنجاب مسلم لیگ کے صدر تھے' انہوں نے سنا تو ذاتی طور پر مداخلت کرکے بیچ بچاؤ کرایا۔ اس لئے حمید نظامی کو کالج سے نکالنے کے نوٹس کی بات آئی گئی ہوگئی۔ اس سے اگلے برس 1937ء کے ماہ اکتوبر میں آل انڈیا مسلم لیگ کا لکھنو میں اجلاس تھا۔ اجلاس کے انعقاد سے چند یوم پیشتر حمید نظامی اور سید امجد حسین کلاس روم میں بیٹھے تھے کہ باہر سے آئی ہوئی انہیں ایک چٹ موصول ہوئی۔ وہ چٹ پنجاب مسلم لیگ کے سیکرٹری خان غلام رسول خان بار ایٹ لاء کی طرف سے تھی اور اس میں انہوں نے حمید نظامی اور سید امجد حسین کو فوری طور پر اپنے دفتر واقع ٹمپل روڈ (حمید نظامی روڈ) پر آکر ملنے کو کہا تھا۔

دونوں دوست چٹ دیکھ کر گھبرائے کہ خدا معلوم کیا بات ہوگئی ہے کہ پنجاب مسلم لیگ کے سیکرٹری نے انہیں طلب کرلیا ہے۔ کالج سے چھٹی کے بعد دونوں خان غلام رسول خان کے دفتر پہنچ گئے۔ خان صاحب اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود عام طور پر ٹھیٹھ پنجابی میں گفتگو کرنے کے عادی تھے۔ حمید نظامی اور امجد حسین میں سے کوئی بھی خان غلام رسول خان سے متعارف نہیں تھا' دفتر جاکر دونوں نے اپنا تعارف چٹ کے حوالے سے کرایا تو خان صاحب نے حسب عادت ٹھیٹھ پنجابی میں کہا ''او منڈیو تسی کنہاں دے پتر او' تہاڈا ماما چاچا کون ایں؟''۔ دونوں مسکرائے اور یک زبان ہوکر جواب دیا: ''ہم اسلامیہ کالج میں ہیں' گھر والوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا سب کچھ ہے''۔

خان صاحب نے اپنے سامنے پڑی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''بھئی

Marfat.com

پنجاب مسلم لیگ دے صدر ڈاکٹر علامہ اقبال ہوراں نے تہانوں ''مسلم سٹوڈنٹس آف پنجاب'' دی نمائندگی واسطے مسلم لیگ لکھنو سیشن لئی نامزد کیتا اے''۔ یہ سن کر حمید نظامی اور سید امجد حسین خوشی اور حیرت کے ملے جلے جذبات سے سرخ ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے' اسی لمحے خان صاحب میز کی دراز سے ریل گاڑی کی ٹکٹیں نکال کر حمید نظامی کی طرف بڑھا کر کہہ رہے تھے: ''یہ لاہور سے لکھنو اور لکھنو سے لاہور کے لئے تھرڈ کلاس کے واپسی ٹکٹ ہیں''۔

دونوں دوست اس اچانک خوشی پر ششدر اور خاموش تھے' اسی حالت میں حمید نظامی نے ٹکٹیں وصول کیں۔ خوشی کے ان لمحات میں دونوں کی زبان جذبات کا ساتھ نہیں دے رہی تھی' وہ سوچ رہے تھے کہ طالب علم اور مسلم لیگ سیشن میں نمائندگی کے لئے حکیم الامت علامہ اقبال کی طرف سے نامزدگی۔۔ دونوں گویا فخر و انبساط کی فضاؤں میں اڑے چلے جا رہے تھے۔ اور صوبائی سیکرٹری مسلم لیگ غلام رسول خاں کہتے چلے گئے...... ''فلاں تاریخ کو گاڑی اتنے بجے روانہ ہو گی۔ مسلم لیگ کے آدمیوں کے لئے ایک بوگی ریزرو ہو چکی ہے جو لاہور ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم پر پہلے سے کھڑی ہو گی۔

سیکرٹری جنرل پنجاب مسلم لیگ سے ملاقات کے بعد واپس آتے ہوئے دونوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ کیونکہ وہ تو کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ انہیں علامہ اقبال ایسی ہستی نامزد کرے گی۔

مقررہ تاریخ پر دونوں لکھنو جانے کے لئے لاہور ریلوے سٹیشن جا کر ریزرو بوگی میں سوار ہوئے تو وہاں مسلم کے دیگر اوکان میں معروف مسلم لیگی عنایت اللہ بھی تھے' جبکہ اسی ٹرین سے سر سکندر حیات وغیرہ بھی جا رہے تھے۔

لکھنو میں مسلم لیگ کے سیشن کا پہلا اجلاس حضرت قائداعظمؒ کی زیر صدارت منعقد ہو کر ختم ہوا تو سہ پہر تین بجے ایک آدمی نے آ کر اطلاع دی کہ جنرل سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ نوابزادہ لیاقت علی خان نے حمید نظامی اور امجد حسین کو فوری طور پر بلایا ہے۔ دونوں بھاگم بھاگ ان کے کمرے میں گئے تو انہوں نے تعارف کے فوراً بعد کہا: ''آپ کو مبارک ہو''۔ حمید نظامی نے برجستہ کہا'' جناب کس بات کی؟''۔ نوابزادہ لیاقت علی خان نہایت متانت اور سنجیدگی سے بولے ''جناح صاحب کی طرف سے آپ دونوں کو بطور سٹوڈنٹس لیڈر مسلم لیگ کی سبجیکٹ کمیٹی کے لئے

Marfat.com

رکن نامزد کیا گیا ہے‘ آپ کو سبجیکٹ کمیٹی کی میٹنگ میں آنا ہے ‘‘۔

دونوں ایک بار پھر مسرت وشادمانی کی بلندیوں پر پہنچ گئے مگر خوشی وحیرت کے جذبات میں بہتے ہوئے حمید نظامی نے کہا:’’ جناب سبجیکٹ کمیٹی میں کل کتنے آدمی ہیں؟‘‘۔

’’کوئی تمیں ہیں‘‘۔لیاقت علی خاں کا جواب تھا۔

’’جناب!ان کی ڈیوٹی کیا ہے؟‘‘۔امجد حسین گویا ہوئے۔

’’اگلے روز کے اجلاس میں پیش کی جانے والی قراردادوں کی تیاری‘‘۔نوابزادہ لیاقت علی خاں نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

’’مگر جناب ہم......‘‘۔حمید نظامی کچھ کہنا چاہتے تھے کہ نوابزادہ لیاقت علی خاں نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔’’ہمیں کچھ علم نہیں۔آپ دونوں کو محمد علی جناح صاحب نے نامزد کیا ہے‘‘۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت قائداعظمؒ کی طرف سے حمید نظامی اور امجد حسین کی سبجیکٹ کمیٹی کے لئے نامزدگی اس بات کا ثبوت تھی کہ اس عظیم ہستی کو لاہور میں حمید نظامی اور امجد حسین کی طرف سے اسلامیہ کالج میں خطاب کرنے کی دعوت اور اس کے بعد انجمن کے کارپردازان کی طرف سے ان پر نازل ہونے والی افتاد اور پھر علامہ اقبالؒ کی مداخلت کا معاملہ اچھی طرح یاد تھا۔ اور ان کی نظر گوہر شناس نے انہی دنوں یہ جان لیا ہوگا کہ جو شخص انہیں اسلامیہ کالج کے طلباء کے سامنے خطاب کرانے کی خواہش لے کر آیا تھا وہ گوہر یک دانہ حمید نظامی مستقبل میں ان کے نصب العین کی راہوں کو ہموار کرنے کا موجب بنے گا۔

بہرحال سبجیکٹ کمیٹی کا اجلاس نماز مغرب کے بعد شروع ہوا۔اجلاس میں حضرت قائداعظم نے اپنی تقریر کا آغاز اس طرح کیا۔

’’میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں اور پنجاب سے آئے ہوئے اپنے دونو جوان طالب علم رہنماؤں کو بھی خوش آمدید کہتا ہوں۔ مجھے ان پر فخر ہے۔ہمیں ہندوستان کے مسلمان نوجوانوں سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں ‘‘۔

حضرت قائداعظمؒ کی طرف سے سبجیکٹ کمیٹی کے اجلاس میں جن دونو جوانوں کا خیر مقدم کیا گیا وہ حمید نظامی اور امجد حسین ہی تھے۔

Marfat.com

اس سے اگلے روز کا اجلاس بڑا دلچسپ تھا۔ سبجیکٹ کمیٹی کے اس اجلاس میں حضرت قائد اعظمؒ نے کہا کہ مولانا حسرت موہانی نے جو قرارداد کانگریس کے پلیٹ فارم سے پیش کی تھی آج وقت آیا ہے کہ مولانا وہ قرارداد مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے پیش کریں۔ مولانا حسرت موہانی نے جو قرارداد پیش کی اس میں لفظ "Complete Independence" (مکمل آزادی) تھا۔ اس پر حضرت قائد اعظمؒ نے کہا:

I can't understand, what do you mean by complete independence? Independence is always complete.

اسی بحث کے موقع پر حمید نظامی کھڑے ہوئے تو انہوں نے انتہائی ادب کے ساتھ حضرت قائد اعظمؒ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "مولانا کی طرف سے اس لفظ کا مقصد "Full independence" (کامل آزادی) ہے۔ حضرت قائد اعظم نے اس دلیل کو مسکرا کر شرف قبولیت بخشا۔

یہی وہ اجلاس تھا جب "کامل آزادی" کے پوائنٹ پر بحث ختم ہوئی تو مولانا ظفر علی خان نے کھڑے ہو کر "ایکسکیوز" کرتے ہوئے کہا کہ عشاء کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ نماز کے لئے چند منٹ کا وقفہ کیا جائے"...... کوئی اور آدمی اجلاس کی صدارت کر رہا ہوتا تو فوراً اس تجویز کے آگے ہتھیار ڈال دیتا مگر اس وقت اجلاس کی عنان مسلمانان ہندوستان کے اس شخص کے ہاتھوں میں تھی جسے قدرت ملت اسلامیہ کی درماندگی دور کرانے کے لئے منتخب کر چکی تھی۔ قائد اعظمؒ نے مولانا ظفر علی خانؒ کی بات سن کر ان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا:

"مولانا ہم ایک نازک موڑ پر مسلمانانِ ہندوستان کے مقدر پر غور کر رہے ہیں۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ عشاء کی نماز نصف شب تک ادا کی جا سکتی ہے۔ بہر حال اگر آپ ابھی نماز ادا کرنا چاہتے ہیں تو جائیں نماز ادا کر کے واپس آ جائیں......"۔

اس پر مولانا ظفر علی خانؒ خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

1937ء ہی میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے زیر اہتمام آل انڈیا اردو ڈیبیٹ منعقد کی گئی جس میں ہندوستان کے دور و نزدیک کے اعلیٰ تعلیمی اداروں نے شرکت کی اس میں اینگلو عربک

Marfat.com

کالج دہلی کی طرف سے دنیائے ادب وصحافت کی ممتاز شخصیت علی سردار جعفری اور خواجہ تصور علی حیدر بھی شامل تھے جبکہ اس تاریخی تقریری مقابلے میں شرکت کے لئے اسلامیہ کالج لاہور کی نمائندگی کرنے والے طلباء میں حمید نظامی سرفہرست تھے جو اس تقریری مقابلے میں بھی نمایاں پوزیشن حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

حمید نظامی کا نام اسلامیہ کالج سے نکل کر پنجاب کی مسلمان طلباء برادری میں 1937ء کے اوائل میں ابھر کر سامنے آیا جب انہوں نے علامہ اقبالؒ کی ہدایت پر مسلمان طالب علموں کی تنظیم کے قیام کے لئے اپنے رابطوں کو تیز تر کر دیا اور مختلف کالجوں کے مسلمان طالب علموں کو بلا کر انہیں مسلمانوں کی الگ طلباء تنظیم کی بنیاد رکھنے کے لئے قائل کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت حالات سخت ناموافق تھے۔ بعض مسلمان طالب علم ہندوؤں سے بھی زیادہ الگ طلباء تنظیم کے قیام کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت قائداعظمؒ کی رہنمائی میں مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ بالخصوص نوجوان اپنے قائد کے پیغام سے پوری طرح متاثر ہو رہے تھے۔ حمید نظامی اس وقت اسلامیہ کالج میں سال چہارم کے طالب علم اور کالج یونین کے صدر تھے۔ مگر دوسرے صوبوں کے برعکس پنجاب میں مسلم لیگ کمزور ترین سیاسی جماعت تھی۔ ایسے میں کسی نوجوان طالب علم کے لئے مسلمان طلباء کی الگ تنظیم کے قیام کا ڈول ڈالنا جان جوکھوں کا کام تھا۔

انہی دنوں مسلمان نوجوان طالب علموں کی تنظیم انٹر کالجیئٹ مسلم برادر ہڈ جس کے روح رواں میاں محمد شفیع تھے' کی طرف سے حضرت علامہ کی زندگی ہی میں اقبال ڈے منانے کا اعلان کر دیا گیا۔ اقبال ڈے منانے کا مقصد درحقیقت پڑھے لکھے اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم مسلمان نوجوانوں کو متحرک کرنے اور مسلم عوام سے رابطہ مہم شروع کر کے انہیں مسلم لیگ کے لئے متحد کرنا تھا۔ اس سلسلے میں پنجاب بھر میں جو طالب علم پوری قوت کے ساتھ متحرک ہوئے ان میں حمید نظامی' عبدالسلام خورشید' عبداللہ بٹ' مولانا عبدالستار خاں نیازی' سید ظہور عالم شہید' ذکی الدین پال' اکبر ملک' مولوی محمد ابراہیم علی چشتی' عبدالقدیر خان نعمانی' راؤ عماد الدین اور سید مرید حسین بھی شامل تھے۔

ان نوجوان طالب علموں کا متحرک ہو جانا ہی مسلم طلباء کی ایک صوبہ گیر تنظیم کی تشکیل کا

Marfat.com

باعث بنا۔ ان نوجوانوں کا تعلق کوئی سرمایہ دار یا جاگیردار قسم کے گھرانوں سے نہ تھا بلکہ وہ سبھی اقتصادی لحاظ سے نچلے اور متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے مگر خلوص اور لگن کی دولت سے مالا مال تھے۔ ایسے حالات میں حکیم الامت علامہ اقبالؒ کی تجویز پر مسلم طلباء نے دی پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی سلسلے میں مسلمان طالب علموں کا اجلاس یکم ستمبر 1937ء کو میاں محمد شفیع (جو بعد میں م ش کے نام سے انگریزی/ اردو کے نامور اخبار نویس ہوئے) کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ جس میں دی پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا قیام عمل میں آیا۔ اور اس کے عہدیداروں کا انتخاب ہوا جس کے مطابق حمید نظامی اس کے پہلے بانی صدر' نائب صدر میاں محمد شفیع' سیکرٹری جنرل عبدالسلام خورشید' اسسٹنٹ سیکرٹری شیخ عماد الدین اور فنانس سیکرٹری سید شاہد حسین منتخب ہوئے اور فیڈریشن کی ورکنگ کمیٹی میں جو طالب علم شامل کیے گئے ان میں محمد اختر ملک' عبدالرشید ارشد' سید مخدوم عباسی' عبداللہ بٹ' میاں بشیر احمد (گورنمنٹ کالج لاہور)' مرزا محمد ارشد (دیال سنگھ کالج لاہور)' سید فضل حسین' عزیز الدین (گورنمنٹ کالج لاہور)' عبدالکریم' فقیر محمد خالد' خواجہ اقبال احمد' ظفر احمد قریشی' عزیز الدین احمد اور مظفر علی ہاشمی (سیالکوٹ) شامل تھے۔

جب اخبارات میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے قیام کی خبریں شائع ہوئیں تو اس وقت کانگریس کی ہمنوا ہندو مہا سبھائیوں کی پنجاب سٹوڈنٹس یونین مضبوط بنیادوں پر قائم تھی۔ جسے کانگریس کی طرف سے فنڈز مہیا کیے جاتے تھے۔ بدقسمتی سے بعض مسلمان طالب علم بھی جانے انجانے میں ہندو مہا سبھائیوں کی سٹوڈنٹس یونین سے وابستہ تھے۔ جو ناسمجھی میں اپنے ہندو دوستوں کی بلاشیری اور شہ پر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے قیام کی زبردست مخالفت پر اتر آئے تھے۔ اس سٹوڈنٹس یونین کے اہم رہنما پربودھ چندر تھے جو قیام پاکستان کے بعد بھارت کے صوبہ مشرقی پنجاب میں صوبائی وزیر ہوئے۔ وہ بھی مسلمان طالب علموں کی الگ تنظیم کے سخت دشمن تھے۔ اس کے ساتھ ہی ہندو پریس نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے قیام پر مخالفت کا طوفان برپا کر دیا۔ ہندو اخبارات سمیت کانگریس کے حامی بعض مسلم اخبارات میں بھی ان گنت گمنام مسلمانوں کے جعلی ناموں سے مسلم فیڈریشن کے قیام کی مخالفت میں بیانات شائع ہوتے رہے مگر حمید نظامی کی قیادت میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے کانگریس' ان کی ہمنوا سٹوڈنٹس یونین

Marfat.com

اور ان کے حامی اخبارات کی مخالفت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ حمید نظامی نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈ ریشن کے صدر کی حیثیت سے مخالفوں کے بیانات کے مدلل اور منہ توڑ جوابات دیئے۔ اس طرح انہوں نے ہندو کانگریس کے اس طلسم کو توڑ کر رکھ دیا کہ ان کی لے پالک سٹوڈنٹس یونین کے سوا کوئی دوسری تنظیم پنجاب کے طالب علموں کی نمائندہ تنظیم نہیں ہے۔ ایک طرف پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈ ریشن حمید نظامی کی کوششوں سے مسلمان طالب علموں کی واحد نمائندہ یونین کا روپ دھار رہی تھی تو دوسری طرف حضرت قائد اعظمؒ کی کرشماتی شخصیت کی قیادت میں مسلم لیگ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں منظم ہو رہی تھی۔

حمید نظامی نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈ ریشن کے قیام کے فوراً بعد صوبے کے تمام شہروں میں اس کی شاخیں قائم کرنے کے لئے دورے کئے۔ لاہور سمیت امرتسر' لدھیانہ' جالندھر' گوجرانوالہ' لائلپور (فیصل آباد) وغیرہ جا کر طلباء کے اجتماعات میں انہوں نے دلائل سے لدی پھندی مدلل تقریریں کیں۔ ان تقریروں نے مسلم طلباء کے دلوں میں اپنا الگ تشخص قائم کرنے کی امنگ پیدا کی۔ نہایت مستقل مزاجی اور عزم و ہمت کے ساتھ وہ ان تمام شہروں میں فیڈ ریشن کی شاخیں قائم کرنے میں مگن رہے۔ اس کٹھن کام میں بعض قریبی رفقاء بھی ہمت ہار گئے۔ کچھ ساتھ چھوڑ گئے۔ ایسے دوستوں نے دوسروں کے کہنے میں آ کر آل پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈ ریشن کے نام سے اپنی الگ تنظیم قائم کر لی اور اس نئی تنظیم کے پلیٹ فارم سے مسلم لیگ اور عظیم قائد حضرت قائد اعظمؒ کی مخالفت میں بیان بازی شروع کر دی۔ لیکن حمید نظامی ایک چٹان کی مانند اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ اور بعض عناصر کی بہت سی ترغیبات کو پرکاہ جتنی بھی اہمیت نہ دے کر پوری جرأت کے ساتھ اپنے لگائے پودے کی آبیاری کرتے رہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا لگایا گیا پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈ ریشن کا پودا تن آور درخت بن کر تحریک پاکستان کا ہراول دستہ بنا۔ اپنی اسی بااصول اور بامقصد زندگی کے باعث انہوں نے حضرت قائد اعظمؒ کے دل اور ان کی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ کے اعلیٰ حلقوں میں عزت و تکریم کے لحاظ سے بلند مقام حاصل کیا۔

حمید نظامی نے ایک مربوط پروگرام کے تحت مسلم سٹوڈنٹس فیڈ ریشن کے پلیٹ فارم سے حضرت قائد اعظمؒ اور مسلم لیگ کا پیغام مسلمان عوام تک پہنچایا۔ مسلمانوں کو حضرت قائد اعظمؒ کی قیادت میں مسلم لیگ کے پرچم تلے متحد و منظم کرنے میں فیڈ ریشن نے تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ مسلم

Marfat.com

لیگ نے 1946ء کے انتخابات میں پنجاب میں جو شاندار کامیابی حاصل کی اس میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی محنتوں بالخصوص حمید نظامی کی کاوشوں کا بڑا دخل تھا اور اس امر کا اعتراف خود حضرت قائداعظمؒ نے بھی کیا۔

❖

21 اپریل 1938ء کا دن تھا۔ اس روز پنجاب یونیورسٹی کے زیر اہتمام بی اے کے امتحانات کا انگریزی الف کا پرچہ تھا۔ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے طالب علموں کے لئے یونیورسٹی کی طرف سے بھارت بلڈنگ چوک میو ہسپتال میں امتحانات کا سنٹر تھا۔ اسی سنٹر میں حمید نظامی اور امجد حسین سید بھی انگریزی کا پرچہ دے رہے تھے۔ ابھی پرچہ شروع ہی ہوا تھا کہ انہیں ایسا معلوم ہوا جیسے سڑک پر اخبارات کے ہاکر چیخ چیخ کر کسی بڑی خبر کو دہرا رہے ہیں۔ انہوں نے آوازوں پر کان لگائے تو ہاکر کہہ رہے تھے۔

''ڈاکٹر اقبال انتقال کر گئے' ڈاکٹر اقبال انتقال کر گئے''۔ دونوں کے کان کھڑے ہو گئے۔

حمید نظامی کی نشست امجد حسین سید سے آگے تھی' حمید نظامی نے قدرے مڑ کر امجد حسین سے کہا: ''امجد سنا ہے علامہ اقبالؒ فوت ہو گئے ہیں''۔ نگران نے یہ صورت حال دیکھی تو فوراً ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے اور قریب آ کر پوچھا: ''آپ کیا بات کر رہے ہیں''۔ حمید نظامی نے کھڑے ہو کر کہا ''ابھی اخبار کے ہاکر کی آواز آئی ہے کہ علامہ اقبال انتقال کر گئے ہیں۔ میں ان کو کہہ رہا تھا کہ ہمیں پرچہ چھوڑ کر علامہ اقبال کے گھر جانا چاہئے......''۔

''مگر آپ کو ابھی کمرہ امتحان چھوڑنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی کیونکہ پرچہ شروع ہوئے صرف آٹھ دس منٹ ہوئے ہیں' آپ باہر جا کر پرچہ آؤٹ کر دیں گے۔ قواعد کی رو سے آپ پرچے کے لئے مختص وقت کا نصف حصہ گزار کر ہی کمرہ امتحان سے نکل سکتے ہیں''۔

حمید نظامی کا کہنا تھا کہ ''مسلمانوں کا عظیم فکری رہنما انتقال کر گیا ہے ہمیں پرچہ کی پرواہ نہیں ہم فوری جانا چاہیں گے......''۔

Marfat.com

''مگر میں آپ کو جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ چاہے آپ بیٹھے رہیں پرچہ حل کریں یا نہ کریں۔ ضابطے کے مطابق مقررہ وقت کا نصف حصہ گزار کر ہی آپ کو جانے کی اجازت دی جا سکتی ہے''۔

اس پر امجد حسین نے حمید نظامی سے کہا کہ ''چلئے نصف وقت گزار لیتے ہیں''۔

اس کے بعد دونوں تیز رفتاری سے پرچہ حل کرنے لگے اور جونہی نصف وقت ختم ہوا۔ دونوں نے جیسا بھی پرچہ حل کیا تھا اسے نگران کے حوالے کیا اور کمرہ امتحان سے نکل گئے۔

یہ واقعہ حمید نظامی اور اس کے ساتھیوں کی علامہ اقبالؒ سے عقیدت، محبت اور لگاؤ کا مظہر ہے کہ ان کا سال چہارم کا فائنل کا امتحان تھا اور وہ کسی قسم کی پرواہ کئے بغیر عشق اقبال میں پرچہ چھوڑ کر چلے جانے کو تیار تھے۔ اس پورے امتحانی مرکز میں آخر دوسرے بھی درجنوں طالب علم تھے اور سبھی نے علامہ اقبال کے انتقال کی خبر ہاکروں کی آواز میں سنی تھی مگر سوائے حمید نظامی اور امجد حسین کے کسی کو خیال نہیں آیا۔ ان دونوں نے اگرچہ یہ پرچہ جلدی میں حل کیا تھا اور انہیں خود اس میں کامیابی کی امید کم تھی مگر خدا کے فضل سے دونوں نے اس پرچے میں بھی اچھے نمبر حاصل کر کے کامیابی حاصل کی۔

بہر حال کمرہ امتحان سے نکل کر دونوں بھاگم بھاگ حضرت علامہ کی اقامت گاہ واقع میو روڈ (علامہ اقبال روڈ) گئے جہاں مسلمان عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ہجوم اپنے عظیم فکری رہنما کی رحلت پر غم سے نڈھال تھا۔ علامہ اقبال کے انتقال پر پہلے روز تو اخبارات نے ضمیمہ شائع کیا تھا جبکہ اگلے روز اخبارات نے شہ سرخیوں کے ساتھ حکیم الامت کی رحلت کی خبریں شائع کیں۔ روزنامہ ''زمیندار'' میں مولانا ظفر علی خان نے علامہ اقبالؒ کی رحلت پر بڑی معرکۃ الآرا نظم لکھی تھی۔ سید امجد حسین کے مطابق حمید نظامی اس روز روزنامہ ''زمیندار'' لے کر اس نظم کو بار بار پڑھتے جاتے اور ایسے میں ان کی آنکھیں بار بار بھیگ جاتیں' اس نظم کے یہ شعر تو کافی دن ان کے ورد زبان رہے۔

گھر گھر یہی چرچے ہیں کہ اقبال کا مرنا
اسلام کے سر پر ہے قیامت کا گزرنا

Marfat.com

کلکتہ و کابل میں بچھی ہے صفِ ماتم
اس غم میں سیہ پوش ہیں بغداد و سمرنا
ملت کو نئی زندگی اقبالؒ نے بخشی
ممکن نہیں اس بات کا اقرار نہ کرنا

حکیم الامت علامہ اقبالؒ کی رحلت پر حمید نظامی غم سے اس قدر نڈھال تھے کہ انہوں نے کئی روز تک عرب ہوٹل کا رخ نہ کیا۔ کوئی ایک ہفتہ بعد ان کے دوست تسلی و تشفی کے الفاظ سے بہلا کر انہیں عرب ہوٹل کی محفل میں لانے میں کامیاب ہوئے۔

1938ء کے اوائل ہی میں اشتراکی نظریات نے ہندوستان میں بڑی تیزی سے قدم جمانے شروع کر دیئے تھے اور بہت سے پڑھے لکھے نوجوانوں نے ان نظریات کو فیشن کے طور پر اپنانا شروع کر رکھا تھا۔ ان میں ہندو، سکھ، مسلمان غرضیکہ برصغیر میں بسنے والی اکثر اقوام کے نوجوان شامل تھے۔ حمید نظامی جب اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں بی اے کے طالب علم تھے تو انہوں نے اشتراکیت کے اس اٹھتے ہوئے طوفان کا بنظر عمیق مطالعہ کیا اور اس وقت انہوں نے اس طوفان کے آگے بند باندھنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔ ان کے نزدیک اشتراکیت محض ایک دھوکہ اور فریب تھا اور ہندوستان کے جن نوجوانوں نے ان نظریات کو فیشن کے طور پر اپنا لیا تھا وہ ایک نہیں کئی چہرے رکھتے تھے۔ وہ خالی خولی محنت کشوں، غریبوں اور محتاجوں کے ہمدرد بنتے تھے جبکہ درحقیقت انہیں محروم طبقے اور اس کے پسماندہ عوام سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ان کی ذاتی زندگیاں پرتعیش اور عیش و طرب میں گزرتی تھیں مگر ایسے لوگ دنیا پر یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ محنت کشوں کے غم میں عمدہ کھانا پینا خود پر حرام کر بیٹھے ہیں۔ ملنے جلنے والے بعض اشتراکی احباب کے قول و فعل کے ایسے تضادات کا حمید نظامی نے بڑے قریب سے مطالعہ کیا اور پھر ان نظریات کے حامل افراد ہی سے نہیں بلکہ اشتراکی نظریات سے نوجوان نسل کو بچانے کے لئے انہوں نے ایسے ایسے افسانے لکھے، کہانیاں رقم کیں جن کا مقصد اشتراکی نظریات رکھنے والے ہندوستانی نوجوانوں کی اصلیت کو طشت از بام کرنا تھا۔

انہی دنوں حمید نظامی نے ''ہمایوں'' کے نومبر 1938ء کے شمارے میں ''میر صاحب'' کے عنوان سے ایک افسانہ لکھا جس میں انہوں نے ایک اشتراکی کے کئی چہروں کی حقیقت بیان کی

Marfat.com

تھی۔ جب یہ افسانہ چھپا تو ترقی پسند اشتراکی حلقوں میں اس پر شدید اظہار ناراضگی کیا گیا اور اشتراکی حلقوں میں اس افسانے پر بڑی لے دے ہوئی۔ مگر اسلامیہ کالج میں ترقی پسند یا اشتراکی نظریات سے متاثر ہونے والے نوجوانوں کو کھلے بندوں حمید نظامی پر تنقید کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حمید نظامی نے شعور کی آنکھیں کھولتے ہی اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا کہ اشتراکی نظریات کا دم بھرنے والے محض ایک دھوکہ ہیں اور دکھاوے کے لئے مزدوروں اور محنت کشوں کے غم میں مگرمچھ کے آنسو بہاتے ہیں۔ (حمید نظامی کے قلم سے نکلا ہوا یہ افسانہ ''میر صاحب'' کتاب کے آخری صفحات میں موجود ہے)۔

1939ء میں حمید نظامی نے بوجوہ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ اس سلسلے میں 9 جنوری **1939**ء کو انہوں نے سیکرٹری یونین عبدالسلام خورشید کو ایک خط لکھا کہ اسی خط کے ساتھ ہی پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی رکنیت سے استعفیٰ بھیج رہا ہوں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ فیڈریشن کو رسہ کشی سے کوئی نقصان پہنچے۔

❖

Marfat.com

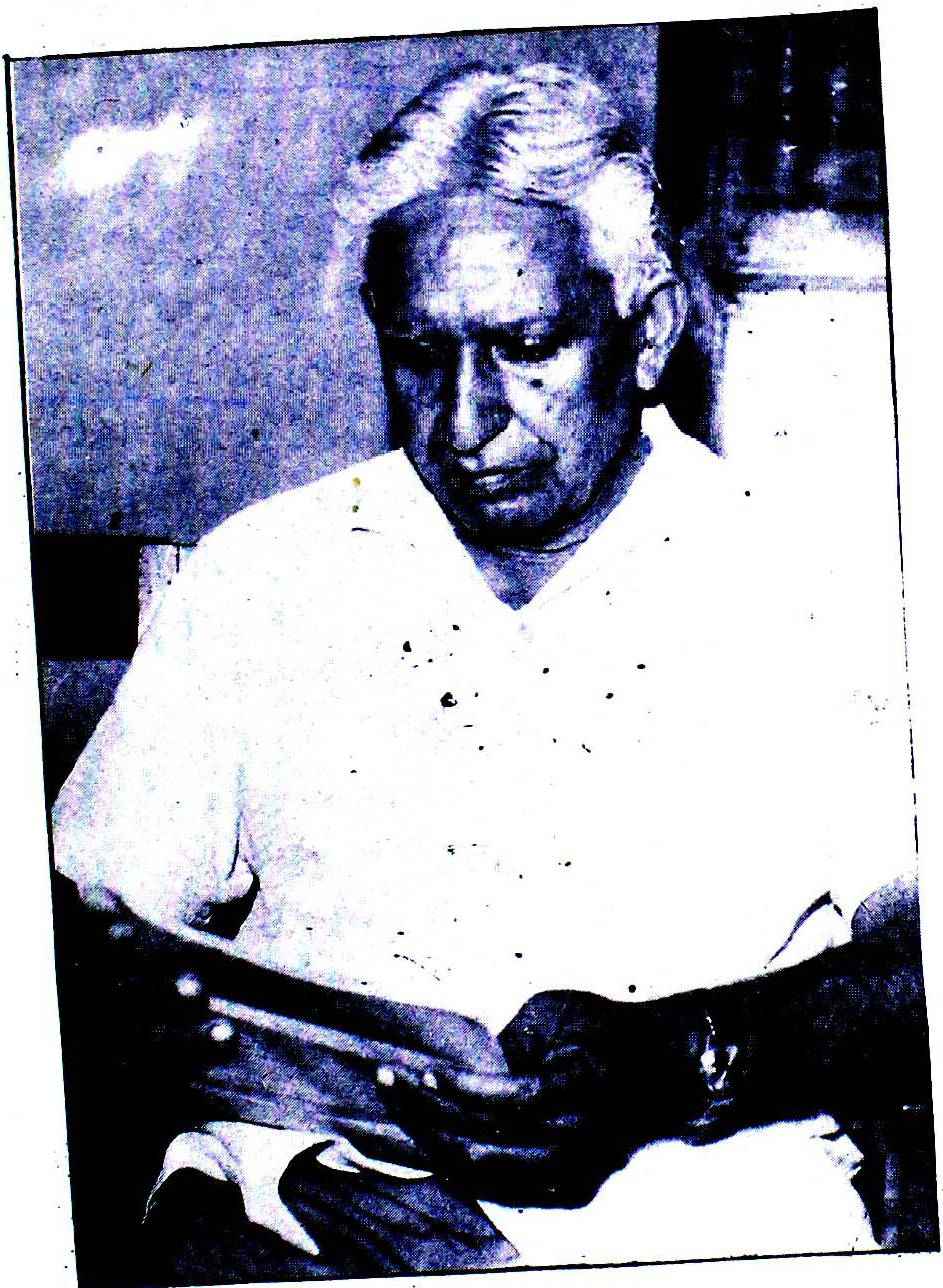

سی آر اسلم

Marfat.com

خارزار صحافت میں

☆ نوائے وقت...... کلام اقبال کی ورق گردانی کا ثمر

☆ قائد کا پیغام

☆ دوقومی نظریہ کا کھلم کھلا اعلان

Marfat.com

اسلامیہ کالج سے بی اے کرنے کے بعد حمید نظامی نے انگریزی میں ایم اے کرنے کی خاطر ایف سی کالج میں داخلہ لیا۔ کیونکہ ان دنوں اسلامیہ کالج لاہور میں انگریزی ایم اے نہیں ہوتا تھا۔ ان کے دوست امجد حسین سید کا رجحان چونکہ اکنامکس کی طرف تھا اس لئے انہوں نے اسلامیہ کالج ہی میں ایم اے اکنامکس میں داخلہ لے لیا۔ 1940ء میں حمید نظامی نے ایف سی کالج لاہور سے ایم اے انگریزی اور سید امجد حسین نے اسلامیہ کالج سے ایم اے اکنامکس کر لیا مگر سارے عرصے کے دوران کوئی دن بھی ایسا نہ تھا جب حمید نظامی، سید امجد حسین سمیت سی آر اسلم اور دوسرے دوستوں کے ساتھ سہ پہر کو عرب ہوٹل کی محفل میں نہ آئے ہوں۔

اسی دوران حمید نظامی کے مضامین ادبی دنیا، شیراز اور ہمایوں میں چھپتے رہے۔ حمید نظامی ملی، ملکی اور عالمی سیاسی حالات سے باخبر رہنے والے نوجوان تھے۔ وہ باقاعدگی سے ریڈیو سنتے، لائبریری میں ملکی اور غیر ملکی اخبارات پڑھتے اور خواجہ حسن نظامی کی تصانیف کا مطالعہ کرتے دیکھے جاتے تھے۔ مطالعہ کے اس شوق نے انہیں اس حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا کہ اسلامیان ہند کی مسلمہ سیاسی قیادت کے خیالات کو مسلم عوام تک پہنچانے کے لئے کوئی موثر ترین آرگن کا فقدان ہے۔ اور اگر سیاسی قیادت کی آواز کو مسلم عوام تک نہ پہنچایا گیا تو مسلمانوں کو سیاسی طور پر منظم اور متحد کرنے کا مقصد حاصل نہیں ہو سکے گا۔ وہ جب ہندوؤں کے اخبارات میں مسلم لیگی قیادت اور حضرت قائداعظم کے بارے میں کی گئی بہتان تراشی اور ہرزہ سرائی کو دیکھتے تو تڑپ اٹھتے اور اپنے اس دلی دکھ کا اظہار اپنے دوستوں بالخصوص سی آر اسلم اور سید امجد حسین سے ضرور کرتے۔ ان کا کہنا تھا کہ مسلمانوں کو ہندوؤں سے نجات دلانے کا ایک ہی راستہ ہے کہ مسلم عوام تک

Marfat.com

حضرت قائداعظمؒ کا پیغام پہنچایا جائے۔ وہ حضرت قائداعظمؒ اور مسلم لیگ کے ترجمان جریدے کی نیو جس صوبہ پنجاب سے اٹھانا چاہتے تھے اس پر انگریز کے لے پالک بڑے بڑے زمینداروں' جاگیرداروں کا غلبہ تھا۔ انگریز حکمرانوں نے اپنے تمام لے پالکوں کو بڑی دلکش مراعات دے رکھی تھیں جس کی بدولت انہوں نے معاشرے میں اپنا رعب وطنطنہ پیدا کر رکھا تھا۔ اپنے اسی رعب وطنطنہ کی بدولت جاگیردار اور وڈیرے کسانوں اور کاشتکاروں اور مزارعوں پر اس قدر ظلم ڈھاتے تھے کہ ان کے ظلم و جبر کی بدولت اس مظلوم طبقے میں سوچ وفکر کی صلاحیتیں بھی سلب ہو کر رہ گئی تھیں۔ حمید نظامی پنجاب میں انسانوں کے اسی سنگلاخ ذہنوں میں درد کا بیج بونے کا عزم کئے ہوئے تھے۔ انہیں انگریزوں اور ہندوؤں کی مشترکہ سازش کے نتیجے میں اردو زبان کی پسماندگی کا بھی قلق تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اردو زبان میں برصغیر کے مسلمانوں کا بے پناہ ادبی اور ثقافتی ورثہ ہے اس لئے اس کا تحفظ اور فروغ ضروری ہے۔ بہرکیف حمید نظامی نے جاگیرداروں اور زمینداروں کے جبر وستم کی چکی میں پسنے والے مفلوک الحال کاشتکاروں' مزارعوں اور ہندوؤں کے پھیلائے ہوئے اقتصادی جال میں جکڑے پسماندہ حال مسلمانوں کے دلوں میں حریت فکر کی جوت جگانے کے لئے خارزار صحافت میں آبلہ پائی کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس دور میں صحافت کے پیشے کو کسی اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان کے لئے منتخب کرنا کوئی آسان بات نہیں تھی کیونکہ صحافت کوئی منفعت بخش کاروبار نہ تھا۔ جبکہ خود اخبار نکالنا تو جان جوکھوں کا کام تھا۔ پھر ایسے شخص کے لئے قومی خدمت کے جذبے کے ہاتھوں مجبور ہو کر کوئی اخبار نکالنے کا تو اس لئے تصور ہی مضحکہ خیز تھا کہ اس کے پیچھے صرف اور صرف جذبہ کارفرما تھا۔ نہ حمید نظامی خود اتنے مالدار تھے کہ اخبار کے چند شمارے ہی نکال سکتے نہ ہی انہیں اس راہ میں کسی سرمایہ دار کی پشت پناہی یا امداد حاصل تھی۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں لے دے کر اگر حمید نظامی کو بھروسہ تھا تو صرف خدا اور اس کے رسولؐ کی ذات اور اس کے بعد اپنے عزم صادق پر' جن کے سہارے حمید نظامی اپنے خواب کی تکمیل دیکھنے کے لئے دن رات قریب ترین دوستوں سے تبادلہ خیالات کرتے رہتے۔

آخر وہ دن بھی آن پہنچا جب حمید نظامی کے ہمدم دیرینہ سی آر اسلم نے ان سے تبادلہ خیالات کرتے ہوئے کہا کہ میرے دوست آپ چاہتے ہیں تو اخبار نکال لیتے ہیں۔ مجھے آپ کی

Marfat.com

ان باتوں سے مکمل اتفاق ہے کہ اس وقت برصغیر کی مسلم سیاست کو آگے بڑھانے اور سیاسی قیادت مسلم لیگ کے جھنڈے تلے مسلمانوں کو متحد ہونے کی دعوت دینے کی اشد ضرورت ہے۔ اور یہ کام کوئی ایسا اخبار ہی کر سکتا ہے جس کی ادارت حضرت قائداعظمؒ کے سچے پیروکار کے پاس ہو۔

سی آر اسلم کی زبان سے یہ باتیں سن کر حمید نظامی کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ دونوں نے سر جوڑ کر اس مسئلہ پر غور کیا کہ اخبار کا نام کیا ہونا چاہئے؟ تین چار یوم وہ عرب ہوٹل میں بیٹھنے کے دوران اور اپنی اپنی قیام گاہ پر سوتے جاگتے میں اخبار کا نام سوچتے رہے۔ بالآخر دونوں نے اس تجویز سے اتفاق کیا کہ علامہ اقبالؒ کے کلام سے اخبار کا نام تلاش کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے حمید نظامی اور سی آر اسلم نے لائبریری جا کر علامہ اقبالؒ کی کتابوں کا بغور مطالعہ شروع کر دیا۔ مسلسل دو یوم تک وہ دونوں انتہائی احتیاط اور انہماک سے علامہ اقبال کی تصانیف کا مطالعہ کرتے ہوئے اخبار کے لئے نام ڈھونڈتے رہے۔

اس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ دونو جوان جس اخبار کے نام کی تلاش میں کلام اقبال سے مدد لے رہے ہیں وہ اخبار حضرت قائداعظمؒ کی قیادت میں برصغیر کے مسلمانوں کی نئی مملکت کے قیام کی تحریک میں ناقابل فراموش کردار ادا کرے گا جس کے نتیجے میں اس کے بانی ایڈیٹر حمید نظامی کا نام ملی تاریخ میں روشن ستارے کی طرح ہمیشہ جگمگاتا رہے گا۔

کلام اقبال کی ورق گردانی کا دوسرا روز تھا کہ حمید نظامی نے سی آر اسلم کو اپنی کرسی قریب لانے کو کہا۔ اس وقت سی آر اسلم علامہ اقبالؒ کی کتاب ضرب کلیم کے ورق الٹ رہے تھے۔ انہوں نے اپنی کرسی حمید نظامی کے قریب کھسکائی تو حمید نظامی کے ہاتھوں میں حضرت علامہ کی پیام مشرق تھی۔ وہ ایک نظم پر انگلی رکھتے ہوئے سی آر اسلم سے گویا ہوئے۔

''آیئے اسے پڑھیں''۔ دونوں پڑھنے لگ گئے۔ نظم تھی

خورشید بہ در مانم' انجم بہ گریبانم ۔ در من نگری ہیچم' در خود نگری جانم
در شہر و بیابانم در کاخ و شبستانم ۔ من دردم و درمانم' من عیش فراوانم
من تیغِ جہاں سوزم' من چشمۂ حیوانم
چنگیزی و تیموری' مشتے ز غبارِ من ۔ ہنگامۂ افرنگی' یک جستہ شرارِ من

Marfat.com

انسان و جہان اوٗ از نقش و نگارِ من ۔ خونِ جگر مرداں، سامانِ بہارِ من
من آتشِ سوزانم، من روضہء رضوانم

آسودہ و سیارم، ایں طرز تماشا بیں ۔ در بادۂ امروزم، کیفیتِ فردا بیں
پنہاں بہ ضمیر من، صد عالم رعنا بیں ۔ صد کوکبِ غلطاں بیں، صد گنبدِ خضرا بیں
من کسوتِ انسانم، پیراہنِ یزدانم

تقدیر فسونِ من، تدبیر فسونِ تو ۔ تو عاشقِ لیلائے، من دشتِ جنونِ تو
چوں روحِ رواں پاکم، از چند و چگونِ تو ۔ تو رازِ درونِ من، من رازِ درونِ تو
از جانِ تو پیدایم، درجان تو پنہانم

من رہرو و تو منزل، من مزرع و تو حاصل ۔ تو سازِ صد آہنگے، تو گرمیٔ ایں محفل
آوارۂ آب و گل! دریاب مقامِ دل ۔ گنجیدہ بہ جامے بیں، ایں قلزمِ بے ساحل
از موجِ بلندِ تو سر بر زدہ طوفانم

دونوں نظم پڑھتے جھومتے رہے۔ عنوان تھا ''نوائے وقت''۔ انہیں گوہرِ مقصود مل گیا۔ چنانچہ دونوں نے اخبار کے لئے اسی نام کو پسند کیا۔ اس کے بعد حمید نظامی نے تجویز دی کہ اگلی صبح یا شام کو بادشاہی مسجد کے پہلو میں واقعہ مرقدِ اقبالؒ پر جا کر فاتحہ خوانی کی جائے اور اس نام سے اخبار کی ترقی کے لئے دعا بھی مانگی جائے۔ اگلے روز انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حمید نظامی نے آنسوؤں کی جھڑی کے دوران مرقد اقبالؒ پر فاتحہ خوانی کی اور دعا مانگی۔ اس سے اگلے دن سی آر اسلم نے پندرہ روزہ ''نوائے وقت'' کے ڈیکلریشن کے لئے درخواست لکھی اور ڈپٹی کمشنر لاہور کے دفتر میں جمع کرا دی گئی۔

ان دنوں لاہور کے ڈپٹی کمشنر ''اینڈرسن'' نامی انگریز تھے۔ سی آر اسلم قواعد کے تحت اس کے سامنے پیش ہوئے۔ انہوں نے فائل دیکھی اور اجازت نامہ پر دستخط کرتے ہوئے سی آر اسلم سے کہا۔ ''اخبار نکال لو مگر اس میں ''میٹر'' ذرا دھیان سے شائع کیا کرنا''۔

سی آر اسلم نے اثبات میں سر ہلایا۔ حمید نظامی بھی ان کے ساتھ گئے ہوئے تھے۔ دونوں پندرہ روزہ ''نوائے وقت'' کی اشاعت کا اجازت نامہ لے کر خوشی خوشی عرب ہوٹل آئے جہاں انہوں نے اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر چائے پی اور کافی دیر بیٹھے اس دوران اخبار کے لئے منصوبہ

Marfat.com

بندی کرتے رہے۔

اس سے کچھ عرصہ قبل پٹنہ کے ایک ممتاز مسلمان سیاسی لیڈر بیرسٹر سید محمد نے اورینٹ پریس آف انڈیا کے نام سے مسلمانوں کی ایک خبر رساں ایجنسی قائم کی تھی۔ حمید نظامی ایم اے سال اول میں ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا سے اخبار نویسی کی چند ماہ کی تربیت حاصل کر چکے تھے اس لئے وہ برصغیر میں اس پہلی مسلمان خبر رساں ایجنسی اورینٹ پریس کی لاہور برانچ کے ایڈیٹر اور منیجر مقرر ہو چکے تھے۔

پندرہ روزہ ''نوائے وقت'' کا ڈیکلریشن حاصل کرنے کے بعد حمید نظامی اور سی آر اسلم نے کسی موزوں جگہ پر دفتر کی تلاش شروع کر دی اور اس کے ساتھ ساتھ ہمخیال دوستوں اور دیگر معروف اہل قلم افراد سے بھی صلاح ومشورہ کرنے اور اخبار کے لئے ان کا تعاون حاصل کرنے کے لئے رابطے شروع کر دیئے۔

بیرسٹر میاں بشیر احمد مدیر ''ہمایوں'' حمید نظامی سے بڑی حد تک متعارف تھے کیونکہ ''ہمایوں'' میں حمید نظامی کے بھیجے گئے مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔ میاں بشیر احمد ان دنوں انجمن اردو پنجاب کے سیکرٹری بھی تھے۔ حمید نظامی نے سب سے پہلے پندرہ روزہ ''نوائے وقت'' کے سلسلے میں میاں بشیر احمد ہی سے ملاقات کی۔ میاں صاحب بڑی محبت سے انہیں ملے۔ حمید نظامی نے میاں صاحب کو وضاحت کے ساتھ بتایا کہ انہوں نے اپنے ایک دوست سی آر اسلم کے ساتھ مل کر پندرہ روزہ جریدہ ''نوائے وقت'' کے نام سے شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ حمید نظامی نے میاں بشیر احمد کو اخبار کی سرپرستی اور قلمی معاونت کرنے کی درخواست کی اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو اخبار کی پیشانی پر بطور سرپرست آپ کا اسم گرامی دے دیا جائے۔ میاں بشیر احمد نے اگرچہ حمید نظامی کو ہر طرح کے تعاون کی یقین دہانی کرائی مگر انہوں نے پیشانی پر سرپرست کا نام دینے کے بارے میں تھوڑا پس و پیش کیا۔ تاہم حمید نظامی کے اصرار پر انہوں نے رضامندی کا اظہار کر دیا۔

اسی سلسلے میں حمید نظامی نے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ جا کر پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر سے بھی ملاقات کی۔ پروفیسر باقر اس وقت اسلامیہ کالج کے تدریسی عملے سے وابستہ تھے اور وہاں آئے انہیں ڈیڑھ پونے دو برس ہی ہوئے تھے۔ جریدہ ''ہمایوں'' میں حمید نظامی کے لکھے ہوئے

Marfat.com

مضامین ان کی نظر سے گزرتے رہتے تھے۔ وہ حمید نظامی کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ جب حمید نظامی نے ڈاکٹر باقر کو بتایا کہ وہ پندرہ روزہ اخبار نکال رہے ہیں تو ڈاکٹر محمد باقر چند لمحوں کے لئے عالم حیرانی میں کھو گئے۔ اس کی وجہ یہ بھی کہ ڈاکٹر محمد باقر اسلامیہ کالج میں ملازمت سے قبل خود بھی شعبہ صحافت سے وابستہ رہ چکے تھے وہ روزنامہ ''زمیندار'' کے ادارتی عملے کے رکن تھے۔ اس حوالے سے انہیں اخبارنویسوں کی کٹھن زندگی میں پیش آنے والے تلخ دنوں کی کلفتوں کا پوری طرح احساس تھا مگر اس سے قبل کہ وہ اپنے تلخ تجربات کی روشنی میں حمید نظامی کو کوئی مشورہ دینے کے لئے زبان ہلاتے' حمید نظامی نے انہیں کہا کہ برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی قیادت کے لئے مضبوط پریس کی ضرورت ہے۔ اگر اس ضرورت کو ہم آپ سب لوگوں نے مل کر پورا کرنے کی کوشش نہ کی تو یہ بہت بڑی غلطی ہوگی۔ یہ درست ہے کہ اس راہ میں پرخطر اور کٹھن مقام بھی آئیں گے مگر ہم مل کر چلتے رہے تو مشکلات ہمارا راستہ نہیں روک سکیں گی۔ چند ملاقاتوں میں تبادلہ خیالات کے بعد ڈاکٹر محمد باقر نے اس راہ میں حمید نظامی سے بھرپور تعاون کا وعدہ کیا اور یہ طے پایا کہ پندرہ روزہ ''نوائے وقت'' کا ایک پورا صفحہ ڈاکٹر محمد باقر کی نگارشات سے عبارت ہوا کرے گا۔ ڈاکٹر باقر اور حمید نظامی نے اس بات سے بھی اتفاق کیا کہ چونکہ پنجاب میں ملک برکت علی کے سوا کوئی مسلم لیگی رکن اسمبلی نہیں ہے اس لئے نہ صرف ملک برکت علی کی حوصلہ افزائی کی جائے گی بلکہ اخبار کو مسلم لیگ اور حضرت قائداعظمؒ کے ترجمان کے طور پر استعمال کریں گے۔ کیونکہ اس وقت کوئی ایسا اخبار نہیں جو سو فیصد تک دل و جان سے مسلم لیگ کا حامی ہو۔ اس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ حمید نظامی کی نگاہ دوررس نے حال کے جھروکوں سے مستقبل میں جھانک کر ملک و ملت کی جس صحافتی ضرورت کو محسوس کیا اور اسے پورا کرنے کے لئے زندگی بھر کو داؤ پر لگانے کا جو خاردار راستہ منتخب کیا ہے اور اس راستے میں ٹھنڈی چھاؤں مہیا کرنے کی خاطر جو پودا لگایا وہ نہ صرف تناور درخت بنے گا بلکہ اسی سے قوم و ملک کو حوصلوں اور جذبوں سے سرشار کرنے والی کئی ایک صحافتی کونپلیں بھی پھوٹیں گی۔

اسی دوران حمید نظامی نے آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر حضرت قائداعظمؒ کو خط لکھا جس میں ان سے درخواست کی گئی تھی کہ ایک پندرہ روزہ ''نوائے وقت'' کے اولین شمارے کے لئے اپنا پیغام مرحمت فرمائیں۔ بابائے قوم کو اس حقیقت کا بھرپور ادراک تھا کہ پنجاب میں حمید نظامی

Marfat.com

ایسے نوجوانوں پر مشتمل کھیپ ہی آل انڈیا مسلم لیگ کا بازوئے شمشیرزن ہے جنھوں نے پنجاب مسلم فیڈریشن قائم کر کے کانگریس کے اس فسوں کو توڑ کر رکھ دیا ہے کہ برصغیر کی نوجوان نسل کسی مذہبی تعصب کے بغیر ہندو کانگریس کے سیاسی پروگرام کی ہمنوا ہے۔ اور اس سلسلے میں جو نا قابل فراموش کردار حمید نظامی کا تھا اس سے بابائے ملت پوری طرح آگاہ تھے۔ چنانچہ حضرت قائد اعظمؒ نے اپنے دستخطوں سے پندرہ روزہ ''نوائے وقت'' کے لئے اپنا پیغام بھجوایا۔ پیغام یہ تھا۔

''مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی ہے کہ آپ پنجاب سے اردو کی خدمت کے لئے ایک اخبار جاری کر رہے ہیں۔ میری مصروفیتیں مجھے اس امر کی اجازت نہیں دیتیں کہ میں آپ کی خواہش کے مطابق کچھ لکھ سکوں لیکن میں آپ کو یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میری دلی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اردو زبان کی ترقی ہماری قوم کی ترقی ہے۔ اس لئے میں اردو کی خدمت کو قوم کی خدمت سمجھتا ہوں۔ یہ زبان ہندوستان کی زبان ہونے کی حیثیت سے ہندوؤں اور مسلمانوں پر برابر کا حق رکھتی ہے لیکن کچھ عرصے سے بعض سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر اسے محض مسلمانوں کی زبان قرار دیا جا رہا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کی ذمہ داری اور بڑھ گئی ہے۔ اس امر کے پیش نظر مجھے امید ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اردو کو فروغ دینے کے لئے بیش از بیش جدوجہد کریں گے۔ میں آپ کی کامیابی کے لئے دست بدعا ہوں''۔

حمید نظامی کو حضرت قائداعظمؒ کا پیغام مل جانے پر اس قدر خوشی ہوئی کہ اس روز ان کا پاؤں زمین پر نہیں ٹکتا تھا۔ اس کا تذکرہ انہوں نے سب سے پہلے سی آر اسلم سے کیا۔ اور وہ اسلامیہ کالج میں یہ پیغام ڈاکٹر محمد باقر کو دکھانے گئے۔ پھر انہوں نے بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق کو خط لکھا کہ وہ پندرہ روزہ ''نوائے وقت'' کے پہلے شمارے کے لئے اپنا پیغام بھیجیں۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق کا پیغام موصول ہونے پر تو حمید نظامی کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ انہوں نے اپنے پیغام میں لکھا تھا:

''مجھے اس سے بے حد مسرت ہوئی ہے کہ آپ اردو کا ایک اخبار جاری کر کے اردو زبان و ادب کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بہت مبارک کام ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ استقلال کے ساتھ اسے جاری رکھیں گے۔ آج کل اردو کی اشاعت و ترقی

Marfat.com

سرپرست: میاں بشیر احمد بی۔ اے (آکسن) بیرسٹرایٹ لا، سکرٹری انجمن اردو پنجاب

نوا را تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

رجسٹرڈ ایل نمبر

ادارۂ تحریر
شبیر حسن
حمید نظامی

نوائے وقت لاہور

شرح چندہ
سالانہ ... ۶
ششماہی ... ۳
فی پرچہ ... ۱

اردو کا ایک معیاری اخبار

جلد (۱) — ۲۹- مارچ ۱۹۴۰ء — نمبر (۱)

قائد اعظم کا پیغام

مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ پنجاب سے اردو کی خدمت کے لئے ایک اخبار جاری کر رہے ہیں۔ میری مصروفیتیں مجھے اس امر کی اجازت نہیں دیتیں کہ میں آپ کی خواہش کے مطابق کچھ لکھ سکوں لیکن میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میری دلی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اردو زبان کی ترقی ہماری قوم کی ترقی ہے اس لئے میں اردو کی خدمت کو قوم کی خدمت سمجھتا ہوں۔ یہ زبان ہندوستان کی ملکی زبان ہونے کی حیثیت سے ہندوؤں اور مسلمانوں پر برابر کا حق رکھتی ہے۔ لیکن کچھ عرصے سے بعض سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے اسے محض مسلمانوں کی زبان قرار دیا جا رہا ہے اس سے مسلمانوں کی ذمہ داری اور بڑھ گئی ہے اس امر کے پیش نظر مجھے امید ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اردو کو فروغ دینے کے لئے پیش از پیش جدوجہد کریں گے۔ میں آپ کی کامیابی کے لئے دست بدعا ہوں۔

محمد علی جناح

دانائے راز

(حضرت حفیظ ہوشیارپوری ایم۔ اے)

منتظر اس مرد حق کا ہے جہان بے ثبات
جس کا اک جلوہ ہو بنیاد فروغ شش جہات
مدتوں گردش میں رہتا ہے چراغ مہر جب
صبح ہوتی ہے شب تاریک بزم کائنات
گھومتا ہے جب تلاش نوح میں برسوں فلک
کشتی انساں کو طوفانوں سے ملتی ہے نجات
صاحب "ضرب کلیم" آتا ہے اک صدیوں کے بعد
گرچہ اس دنیا میں بنتے ہیں سدا لات و منات
اک حسین تشنہ ہوتا ہے حرم سے جلوہ گر
جستجو میں مدتوں روتی ہے جب رود فرات
دودمان عشق سے محمود روز اٹھتے نہیں
بت نئے تیار ہوتے ہیں خرد کے سومنات
[illegible] دوراں لٹاتی ہے ہزاروں سال جب
پھوٹتی ہے زندگی کے نخل سے شاخ نبات
اب ہمیشہ رو دیں گے اقبال کو دیر و حرم
عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

ڈاکٹر مولوی عبدالحق کا پیغام

مجھے اس سے بے حد مسرت ہوئی ہے کہ آپ اردو کا ایک اخبار جاری کر کے اردو زبان و ادب کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بہت مبارک کام ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ استقلال کے ساتھ اسے جاری رکھیں گے۔ آج کل اردو کی اشاعت و ترقی میں کوشش کرنا ایک قومی اور ملکی خدمت ہے۔ ہماری بقا کے ساتھ اس کی بقا اور اس کی بقا کے ساتھ ہماری بقا ہے۔

(ڈاکٹر مولوی) عبدالحق

فہرست مضامین

مقالہ	مقالہ نگار	صفحہ
دانائے راز	حضرت حفیظ ہوشیارپوری	۱
نوائے قوم	میاں بشیر احمد	۳
الجھنیں	مسٹر کرشن چندر ایم۔ اے	۴
اقبال نگاہ کی تعلیم	بہ قلم یوسف سلیم چشتی	۵
بیل و دلدار	حمید نظامی	۶
اردو سبھا	ڈاکٹر محمد باقر	۹

[illegible]

Marfat.com

میں کوشش کرنا ایک قومی اور ملکی خدمت ہے۔ ہماری بقا کے ساتھ اس کی بقا اور اس کی بقا کے ساتھ ہماری بقا ہے''۔

اولین شمارے کے لئے وقت کی دو قد آور ہستیوں کے بیانات حاصل کرنے کے بعد حمید نظامی اور چودھری سی آر اسلم نے دفتر کی سرعت کے ساتھ تلاش جاری کی۔ چنانچہ انہوں نے پندرہ روزہ ''نوائے وقت'' کے لئے فلیمنگ پر واقع ایک مکان کے دو کمرے کرائے پر حاصل کر لئے۔ انہی دنوں لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کے زیر اہتمام اقبال پارک (منٹو پارک) میں ہونے والے اجلاس کی تیاریاں بڑے زور وشور سے جاری تھیں جس میں حضرت قائداعظمؒ کی زیر صدارت قراردادِ لاہور (جو بعد میں قراردادِ پاکستان کہلائی) منظور ہوئی۔ یہ قرارداد 23 مارچ 1940ء کو منظور ہوئی تھی اور پندرہ روزہ ''نوائے وقت'' کا پہلا پرچہ 23 مارچ 1940ء کو شائع ہوا۔ اس کے فوراً بعد پنجاب یونیورسٹی ہال شاہراہ قائداعظم (مال روڈ) میں 25 مارچ کو یوم اقبالؒ منایا گیا جس میں حضرت قائداعظمؒ نے حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے متعلق ایک زبردست تقریر کی۔

پندرہ روزہ ''نوائے وقت'' 23 مارچ کو طبع ہو کر منصہ شہود پر آیا۔ اس کا ادارہ تحریر شبر حسن اور حمید نظامی سے عبارت تھا۔ صفحہ اول پر درمیان میں ''نوائے وقت لاہور'' کی پیشانی تھی۔ اس کے اوپر پیشانی سے قدرے کم جلی حروف میں علامہ اقبالؒ کا یہ شعر تھا

نوارا تلخ ترمی زن چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز ترمی خواں چوں محمل را گراں بینی

اس شعر کے عین اوپر لکیر پر باریک خط میں لکھا تھا:

سرپرست میاں بشیر احمد بی اے (آکسن) بیرسٹر ایٹ لاء، سیکرٹری انجمن اردو پنجاب۔ ٹائٹل پر نیچے کی طرف آخری لکیر تلے پرنٹ لائن اس طرح تھی۔ فیروز پرنٹنگ ورکس 119 سرکلر روڈ میں باہتمام رحمت اللہ اسلم پرنٹر پبلشر چھپا اور دفتر نوائے وقت 14-اے فلیمنگ روڈ سے شائع ہوا۔ مینجنگ ایڈیٹر رحمت اللہ اسلم بی اے ایل ایل بی۔

اس پندرہ روزہ اخبار کا سالانہ چندہ صرف دو روپے اور پرچے کی قیمت صرف ایک آنہ تھی۔ اس وقت ایک روپے میں سولہ آنے ہوتے تھے۔ پندرہ روزہ ''نوائے وقت'' کا جو شمارہ

Marfat.com

۲۷ مارچ کو شائع ہوا اس کے سرورق (صفحہ اول) پر دائیں طرف حضرت قائد اعظمؒ کا پیغام، بائیں طرف کے دو کالموں میں ڈاکٹر مولوی عبدالحق کا پیغام اور ان دونوں کے درمیان "دانائے راز" کے عنوان سے حفیظ ہوشیار پوری ایم اے کی نظم تھی جو حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے حضور عقیدت کے پھول تھے۔ نظم تھی:

منتظر اس مرد حق کا ہے جہان بے ثبات
جس کا اک جلوہ ہو بنیاد فروغ شش جہات

مدتوں گردش میں رہتا ہے چراغ مہر جب
صبح ہوتی ہے شبِ تاریک بزم کائنات

گھومتا ہے جب تلاشِ نوح میں برسوں فلک
کشتیٔ انساں کو طوفانوں سے ملتی ہے نجات

صاحبِ "ضرب کلیم" آتا ہے اک صدیوں کے بعد
گرچہ اس دنیا میں بنتے ہیں سدا لات و منات

اک حسینؓ تشنہ ہوتا ہے حرم سے جلوہ گر
جستجو میں مدتوں روتی ہے جب رود فرات

دود مان عشق سے محمود روز اٹھتے نہیں
نت نئے تیار ہوتے ہیں خرد کے سومنات

تلخیٔ دوراں رلاتی ہے ہزاروں سال جب
پھوٹتی ہے زندگی کے نخل سے شاخ حیات

اب ہمیشہ روئیں گے اقبالؒ کو دیر و حرم
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

Marfat.com

اخبار کے اندرونی صفحات پر مقالہ افتتاحیہ ''نوائے قوم'' کے عنوان سے بیرسٹر میاں بشیر احمد نے لکھا تھا جسے ان الفاظ کے ساتھ ختم کیا گیا تھا۔

---- ''ہمارے بلند نظر شاعر اور ہمارے محبوب رہنما نے ہمارے مستقبل کی ایک جھلک ہمیں دکھادی ہے۔

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

حمید نظامی نے ''لیل و نہار'' کے عنوان سے 23 مارچ 1940ء کو مسلم لیگ کے اجلاس میں منظور کی گئی قرارداد لاہور (جو بعد میں قرارداد پاکستان کہلائی) کے حوالے سے لکھا تھا:

''مسلم لیگ کے اجلاس لاہور نے اسلامی ہندی سیاست کی تاریخ میں ایک نہایت اہم باب کا اضافہ کیا ہے۔ لیگ نے اپنی 37 سالہ زندگی میں پہلی مرتبہ مسلمانان ہند کے سامنے ایک واضح اور غیر مبہم نصب العین رکھا ہے.......... اس قرارداد سے لیگ نے ایک بات کا فیصلہ کر دیا ہے کہ جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے وہ ہندوستان میں متحدہ قومیت کے نظریہ کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے۔ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں اور ہندو ایک علیحدہ قوم' اب اگر ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین کوئی سمجھوتہ ہو تو اس کی بنیاد اسی اصول پر ہونی چاہئے کہ مسلمان ایک فرقہ نہیں بلکہ ایک مستقل قوم ہیں''۔

اس شمارے میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا مضمون ''اقبال اور کالج کی تعلیم'' ڈاکٹر محمد باقر کا کالم ''اردو سبھا'' اور کرشن چندر کا افسانہ ''آنکھیں'' بھی شائع ہوا۔ حمید نظامی نے ''کچھ اپنے متعلق'' کے عنوان سے ادارے کا ذکر ان الفاظ میں کیا تھا:

''...... لیکن ہم آپ کو یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے سامنے صرف اچھی خبریں پیش کریں گے۔ ہمارے دو سب سے بڑے مقاصد اردو زبان کی ترقی اور علامہ اقبالؒ کے پیغام کی اشاعت ہیں۔ ان کی اہمیت محتاج بیان نہیں' ہم اس اخبار کی مدد سے کسی ادبی اور معاشرتی انقلاب کو برپا کر دینے کے مدعی نہیں لیکن ہمیں یہ دعویٰ ضرور ہے کہ ہم آپ کے سامنے اچھا ادب پیش کریں گے۔ ہم نے یہ قدم راستے کی

Marfat.com

مشکلات پر پوری طرح غور کرنے کے بعد اٹھایا ہے۔نو جوان ہونے کے باوجود ہم جوش فضول کے قائل نہیں ہمارے ارادے بلند ضرور ہیں لیکن ایسے بھی نہیں کہ انہیں پایہء تکمیل تک پہنچانا انسان کی ہمت سے باہر ہو۔آخری گذارش یہ ہے کہ ہمارے کام کا اندازہ لگاتے وقت اتنا خیال رکھئے کہ یہ نو جوانوں کا کام ہے''۔

پہلے پرچے کے ساتویں صفحہ پر مولانا ابوالکلام آزاد کے بیان کے علاوہ ''شاعر فردا'' کے زیر عنوان سر عبدالقادر کا پیغام بھی شائع ہوا۔

❖

Marfat.com

پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے عہدیدار اور اراکین ورکنگ

حضرت قائد اعظم کے ساتھ۔ 1942-43

کرسیوں پر دائیں سے بائیں: امین (آفس سیکرٹری) الیاس مسعود (جنرل سیکرٹری) غلام احمد (وائس پریذیڈنٹ) حمید نظامی (صدر) حضرت قائد اعظم
نواب آف ممدوٹ (آنریری ممبر) صلاح الدین (وائس پریذیڈنٹ) حمید (جائنٹ سیکرٹری) افتخار اللہ (آرگنائزنگ سیکرٹری)

کھڑے ہوئے دائیں سے بائیں: محمد اکرام، شفیع، حسرت (اکاؤنٹنٹ) ضیاء (اسسٹنٹ خزانچی) صبیح، قاسم رضوی، عارف، یحییٰ، اکرام، اکرام قریشی

Marfat.com

حضرت قائداعظمؒ اور حمید نظامی

☆ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی دوبارہ صدارت

☆ یونینسٹ حکومت کی دھمکیاں

☆ پندرہ روزہ سے روزنامے تک

Marfat.com

پندرہ روزہ ''نوائے وقت'' کا پہلا شمارہ فلیمنگ روڈ لاہور کے دفتر سے نکالا گیا اور بعد کے چند شمارے بھی اسی دفتر سے نکلے مگر حمید نظامی کو یہ دفتر زیادہ پسند نہ تھا۔ اس لئے حمید نظامی اور سی آر اسلم نے ایک دفعہ پھر کسی نئے دفتر کی تلاش شروع کر دی تو انہیں ریلوے روڈ پر اسلامیہ کالج سے متصل گلی میں ایک وکیل نے اپنے مکان کی بالائی منزل چار روپے ماہوار کرائے پر دے دی۔ اس مکان پر یاغستان کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ چنانچہ جب پندرہ روزہ ''نوائے وقت'' کا دفتر اس نئے مکان میں منتقل ہوا تو پھر پندرہ روزہ ''نوائے وقت'' کا پتہ ''یاغستان'' ریلوے روڈ لاہور لکھا جاتا رہا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ''یاغستان'' (جس کے آگے مالک نے کوئی منزل یا بلڈنگ کے الفاظ نہیں لکھوائے تھے) حمید نظامی کے دوستوں کی بیٹھک بن گیا جو بلاناغہ وہاں آتے تھے۔ ان میں ڈاکٹر شبر حسن، میاں محمد شفیع (م ش)، مولانا عبدالستار خان نیازی، ڈاکٹر محمد باقر اور ابراہیم علی چشتی بھی شامل تھے۔

انہی دنوں پندرہ روزہ ''نوائے وقت'' کو چلانے کے لئے مالی بحران محسوس کیا گیا کیونکہ مکان کا کرایہ تھا، اخبار کی کتابت، چھپائی، کاغذ وغیرہ کے اخراجات تھے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے تمام احباب یاغستان میں جمع ہوئے اور یہ طے پایا کہ تمام احباب 5'5,10'10 روپے ماہوار ادا کریں۔ چونکہ سستا زمانہ تھا پندرہ روزہ اخبار کی محدود اشاعت کے لئے مطلوبہ رقم اکٹھی ہو جایا کرتی تھی۔

پندرہ روزہ ''نوائے وقت'' میں اگرچہ تمام دوست کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے مگر زیادہ تر

Marfat.com

نگارشات حمید نظامی ہی کے قلم سے ہوا کرتی تھیں۔ جب حمید نظامی اخبار پندرہ روزہ "نوائے وقت" کی ترتیب و تدوین اور اشاعت وغیرہ کے کاموں میں بے حد مصروف تھے کہ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے پرجوش طلباء کے اصرار پر حضرت قائداعظمؒ یکم مارچ 1941 کو اسلامیہ کالج لاہور میں خطاب کرنے تشریف لائے' کالج گراؤنڈ میں حضرت قائداعظمؒ کی زیر صدارت ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس میں حضرت قائداعظمؒ نے یہ یادگار فقرہ کہہ کر تو ہر ایک کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

"Gentle men' Today is first of March' Let us march on"

"حضرات! آج یکم مارچ کا دن ہے آیئے ہم سب مل کر مارچ کریں" (یعنی آگے بڑھیں)

1941ء ہی میں پندرہ روزہ "نوائے وقت" کی ذمہ داریوں کے بوجھ کے باعث حمید نظامی نے بصد اصرار میاں بشیر احمد کو مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی صدارت سونپ دی۔ مگر میاں صاحب اپنی مصروفیات کے باعث یہ بوجھ ایک سال سے زیادہ عرصہ تک برداشت نہ کر سکے اور 1942ء میں میاں بشیر احمد نے ایک بار پھر حمید نظامی کو پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی سربراہی قبول کرنے پر اصرار کیا۔ چنانچہ 1942ء میں حمید نظامی دوبارہ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر چن لئے گئے۔ 1942ء کے آغاز میں حمید نظامی کے دیرینہ رفیق کار سی آر اسلم نے لاہور سے اپنے گاؤں نکودر جا کر وکالت شروع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حمید نظامی نہیں چاہتے تھے کہ ان کے پرانے دوست اور "نوائے وقت" کے پبلشر ان سے جدا ہوں۔ مگر جب سی آر اسلم نے اصرار کیا تو حمید نظامی کو بادل نخواستہ اپنے دوست کا فیصلہ ماننا پڑا۔ ایسے میں پندرہ روزہ "نوائے وقت" کا ڈیکلریشن سی آر اسلم کی بجائے حمید نظامی کے نام منتقل کرنا ضروری سمجھا گیا۔ چنانچہ دونوں دوست ضروری کاغذات تیار کرے ڈپٹی کمشنر لاہور کے سامنے پیش ہوئے جہاں پندرہ روزہ "نوائے وقت" کا ڈیکلریشن حمید نظامی کے نام منتقل ہوا۔ ان دنوں حمید نظامی کا قیام 8- بیڈن روڈ لاہور میں تھا۔ جہاں ایک مکان کے بالائی کمرے میں انہوں نے اورینٹ پریس آف انڈیا کا دفتر لے رکھا تھا' وہیں ان کی رہائش تھی۔ اس وقت وہ اورینٹ پریس کے لاہور بیورو کے منیجر اور ایڈیٹر تھے۔ جبکہ اورینٹ پریس میں ان کے اسسٹنٹ ایڈیٹر سید ظہور عالم شہید تھے جو بعد میں "نوائے وقت" کے چیف نیوز ایڈیٹر رہے۔ اور ینٹ پریس آف انڈیا پٹنہ

Marfat.com

کے ممتاز مسلمان سیاسی رہنما بیرسٹر سید محمد نے قائم کیا تھا۔

حمید نظامی ''نوائے وقت'' کے ذریعے مسلم عوام میں سیاسی شعور پیدا کرنے کے لئے جو جان توڑ محنت کر رہے تھے ملی مفادات کی خاطر انہوں نے دن کا چین اور راتوں کی نیند کو فراموش کر رکھا تھا۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ نہ صرف پندرہ روزہ ''نوائے وقت'' کی سرکولیشن میں معتدبہ اضافہ ہو چکا تھا بلکہ وسطی ہندوستان بالخصوص پنجاب کے پڑھے لکھے مسلمانوں کے دلوں میں ان کی عزت واحترام اور ''نوائے وقت'' کی ساکھ گھر کر چکی تھی۔ مسلم لیگ کی ہائی کمان کے تمام ارکان خاص طور پر حضرت قائداعظم تو ان کی اس بے لوث خدمت کے گرویدہ ہو چکے تھے جس کا ثبوت حضرت قائداعظم کا وہ خط تھا جو انہوں نے 4 جون 1942ء کو حمید نظامی کے نام لکھا تھا۔ اس گرامی نامے میں بابائے قوم نے تحریر فرمایا تھا:

''مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت محسوس ہوئی ہے کہ جریدہ ''نوائے وقت'' کا انتظام ہمارے نوجوانوں کے ہاتھ میں ہے۔ جو قربانی کے جذبے سے کام کر رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ اخبار ہمارے عوام کو اس کے وسیع تر مسائل کا شعور دلانے کے لئے وسیع کام کر رہا ہے جو مسلم قوم کو درپیش ہیں۔ عوام کو فوری طور پر ایسی تربیت کی ضرورت ہے کہ وہ مسلم قوم کے اجتماعی مفاد کی خاطر اپنی انفرادی آسائشوں کو فراموش کر دیں۔ ہم سب کو واحد نظام کے تحت پورے سکون اور کامل خاموشی سے ایک ہی مطمح نظر اور متحدہ مشن کے لئے کام کرنا چاہئے۔ وہ وقت دور نہیں جب ہم اپنی پرخلوص جدوجہد سے وہ گوہر مقصود پالیں گے، جسے ہم صحیح سمجھتے اور منصفانہ طور پر جس پر اپنا حق جتاتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ''نوائے وقت'' یہ پیغام ہمارے عوام تک پہنچائے گا اور متذکرہ اصول کی روشنی میں قوم کے لئے مشعل راہ بنے گا۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے اور اپنے آپ کو قومی امنگوں کا اہل بنانے کے لئے ہمیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے''۔

جب اکتوبر 1942ء میں حمید نظامی کو ایک بار پھر پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا صدر منتخب کر لیا گیا تو فیڈریشن کے دیگر عہدیداروں میں محمد الیاس مسعود سیکرٹری جنرل، غلام احمد نائب صدر، صلاح الدین نائب صدر، افتخار اللہ آرگنائزنگ سیکرٹری، محمد امین ترین آفس سیکرٹری اور

Marfat.com

MOUNT PLEASANT ROAD,
MALABAR HILL.

4th June 1942

"It gives me a great pleasure to note that the journal "NAWAI WAQT" is an organ managed and controlled by our young men who are working with a spirit of sacrifice. I learn that it has been doing good work towards educating our people for the broader issues that lie ahead of the Muslim Nation.

"The Immediate need for our people is to be so trained that they should forget their individual conveniences in favour of the collective good of the Muslim Nation. We must all work calmly and silently with one single notion and for one single mission and under one single system and time is not far off when our honest labours will be rewarded with what we rightly and justly claim as our own.

"I hope that "NAWAI WAQT" will take this message to our people and will inspire them in the light of the fore-going principle. Time is short at our disposal and we have yet to achieve a great deal before we can make ourselves fit for what we aspire"

M. A. Jinnah

Marfat.com

نواب افتخار حسین ممدوٹ اعزازی رکن تھے۔ گیارہ ارکان کی مجلس عاملہ میں محمد اکرم' میاں محمد شفیع (م ش) حسرت' ضیاء الاسلام' صبیح الدین طور' سید محمد قاسم رضوی' محمد عارف' یحیٰی بختیار' بشیر الدین احمد' محمد اکرام اور اکرام قریشی شامل تھے۔

حمید نظامی نے فیڈریشن کا دفتر اور رینٹ پریس کے دفتر 8- بیڈن روڈ لاہور سے ملحقہ اپنے رہائشی کمرے میں قائم کر دیا۔ یہ دفتر چار کرسیوں' ایک پرانے میز اور ایک عدد ٹیلی فون پر مشتمل تھا۔ میز وہی تھی جس پر بیٹھ کر حمید نظامی اور رینٹ پریس آف انڈیا کے لئے خبریں بنایا کرتے تھے۔ اس وقت فیڈریشن کا کوئی باقاعدہ ریکارڈ نہیں تھا۔ سابق صدر میاں بشیر احمد سے حمید نظامی کو فیڈریشن کے ریکارڈ کے طور پر جو چیز ملی وہ صرف ایک لفافہ تھا' جس میں کچھ کاغذات تھے۔ یہ ''ریکارڈ'' فیڈریشن کے سیکرٹری محمد الیاس مسعود نے میاں بشیر احمد سے لا کر حمید نظامی کے حوالے کیا تھا۔ فیڈریشن کی ایک پرانی سائیکل بھی تھی جس پر فیڈریشن کے عہدیدار بذات خود اخبارات کو پریس ریلیز دینے جایا کرتے تھے۔

جب سے حمید نظامی نے فیڈریشن کا دفتر بیڈن روڈ پر اور رینٹ پریس اور اپنی قیام گاہ کے کمرے میں قائم کیا تھا' اس وقت سے فرنگی حکومت کی ہدایات پر فیڈریشن کے دفتر کی نگرانی پولیس نے شروع کر دی تھی۔ پولیس کے سادہ کپڑوں میں ملبوس لوگ دفتر کے ارد گرد سڑک پر ہر وقت منڈلاتے رہتے' جو آنے جانے والے کا حلیہ نوٹ کرتے اور ان کے نام اور پتے بھی معلوم کرنے کی کوشش کرتے۔ روزانہ جعلی ناموں سے فیڈریشن کے دفتر میں ٹیلی فون کر کے دھمکیاں دی جاتیں مگر حمید نظامی ایسی تمام باتوں کو پرکاہ جتنی بھی اہمیت نہ دیتے ہوئے انتہائی دلجمعی اور بے خوفی کے ساتھ سرگرم تھے۔ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سیکرٹری الیاس مسعود جو حمید نظامی کے بااعتماد ساتھی تھے حکومت کے ایما پر پولیس کے کرائمز انویسٹیگیشن ڈیپارٹمنٹ (سی آئی ڈی) والوں نے انہیں دفتر آتے جاتے ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا۔ وہ حمید نظامی کی سرگرمیوں کے بارے میں ان سے معلومات حاصل کرنا چاہتے مگر الیاس مسعود بھی انتہائی دلیر' نڈر اور حمید نظامی کے جانثار ساتھیوں میں سے تھے۔ انہوں نے پولیس کی کسی دھمکی اور خوف کی پرواہ نہ کی۔ انہوں نے اس بات کو معمولی سمجھتے ہوئے حمید نظامی سے اس کا ذکر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ پھر سی آئی ڈی کے ذمہ دار افسروں نے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے چکر لگا کر الیاس

Marfat.com

مسعود کو کسی نہ کسی ذریعے سے کلاس روم سے بلا کر الٹے سیدھے سوالات شروع کرنے کا سلسلہ اپنالیا۔

الیاس مسعود سے کہا گیا کہ حمید نظامی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر کی حیثیت سے جو سرکلر فیڈریشن کی مختلف شاخوں کے نام ارسال کرتے ہیں اس کی نقول انہیں فراہم کر دی جایا کریں تا کہ یونینسٹ حکومت یہ جان سکے کہ مسلمان نوجوانوں کی فیڈریشن کیا کرنا چاہتی ہے اس کا پروگرام کیا ہے؟ الیاس مسعود نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ پولیس کے شعبہ سی آئی ڈی کی طرف سے اس مقصد کے لئے انعام واکرام سے نوازنے اور کئی خوشنما وعدوں کا بھی سہارا لیا گیا۔ الیاس مسعود نے تنگ آ کر اس تمام صورت حال سے حمید نظامی کو آگاہ کر دیا۔ پھر سی آئی ڈی والوں نے الیاس مسعود کے گھر کی نگرانی شروع کر دی۔ اس پر الیاس مسعود کے والد نامور ہومیو پیتھ ڈاکٹر محمد مسعود قریشی نے اپنے بیٹے الیاس مسعود سے حمید نظامی سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ اگلے روز حمید نظامی ان کے گھر آ کر ڈاکٹر محمد مسعود قریشی سے ملے اور سی آئی ڈی کی طرف سے دباؤ پڑنے کے حوالے سے مجید نظامی نے انہیں کہا: ''ڈاکٹر صاحب! آپ کا بچہ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا ایک کارکن یا محض میرا اسیکرٹری نہیں ہے بلکہ وہ میرا بھائی ہے۔ خدانخواستہ اگر کوئی تکلیف آئی تو الیاس کو بعد میں آئے گی سب سے پہلے میں اس پہ ہونے والے حملے کو برداشت کرنے کے لئے اپنے آپ کو پیش کروں گا آپ بالکل مطمئن رہیں''۔

حمید نظامی کے یہ الفاظ سن کر ڈاکٹر محمد مسعود بے حد خوش ہوئے اور کہا: ''اگر الیاس کو آپ جیسے مخلص بھائی کی سرپرستی اور شفقت نصیب ہے تو پھر مجھے پورا اطمینان ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا ہمیں حصول پاکستان کی جدوجہد میں ثابت قدم رہنے کی توفیق دے''۔ اور اس کے بعد الیاس بے دھڑک اور پہلے سے کہیں زیادہ دلیری اور بے خوفی کے ساتھ فیڈریشن کے کام میں مصروف ہو گئے۔ مگر سی آئی ڈی والوں کی طرف سے فیڈریشن کے دفتر کی نگرانی کرنے اور ٹیلی فون پر دھمکیاں دینے کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔

چند ماہ تک اورینٹ پریس کی بوسیدہ میز فیڈریشن کے کام کا بوجھ برداشت کرتی رہی جب اس کی چولیں ہلنے لگیں تو حمید نظامی نے الیاس مسعود سے کہا: ''مولانا! اب تو فیڈریشن کے کام کے لئے علیحدہ میز کا انتظام کرنا ہوگا''۔ چنانچہ اگلے روز حمید نظامی الیاس مسعود کو ساتھ لے کر

Marfat.com

الیاس مسعود (جنرل سیکرٹری پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن)

Marfat.com

ایک نیلام گھر گئے مگر وہاں انہیں کوئی اچھی میز نہ مل سکی۔ اس پر انہوں نے نئی میز خریدنے کی ٹھانی۔ جب نیلام گھر کے مالک کو باتوں باتوں میں یہ پتہ چلا کہ دونوں نوجوان پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن سے تعلق رکھتے ہیں اور اس پلیٹ فارم سے مسلم لیگ اور قائداعظمؒ کے لئے کام کر رہے ہیں تو اس نے دونوں کو روک لیا۔ وہ بھی مسلمان تھا اور اس نے اسی رشتے کے تحت تین فٹ طویل اور دو فٹ عرض کا نیا میز صرف بیس روپے میں دیا۔ گویا پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے دفتر میں نئی میز کی خرید حصول پاکستان کی جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کی طرف ایک مثبت قدم تھا۔

میز کی قیمت بیس روپے تو حمید نظامی نے ادا کر دیئے مگر اب وہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ میز تانگے پر دفتر پہنچائی جائے۔ لہٰذا اس میز کو سیکرٹری الیاس مسعود اپنی سائیکل پر رکھ کر میکلوڈ روڈ سے دفتر واقع بیڈن روڈ لائے۔ اس میز کے بعد کچھ کرسیوں کا اضافہ کرنے سے فیڈریشن کے دفتر کی شکل وصورت نکالی گئی۔

گویا یہ آغاز تھا اس پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے دفتر کا جس نے حمید نظامی کی قیادت میں پنجاب کے کونے کونے کے مسلم عوام کے دلوں سے یونینسٹ حکومت کے لے پالک جاگیرداروں کے خوف اور رعب سے نجات دلانے کے لئے تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ اور اس طرح ان تمام علاقوں کے مسلمانوں نے حضرت قائداعظمؒ کی زیر قیادت آل انڈیا مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو کر تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔

انہی دنوں حمید نظامی پندرہ روزہ ''نوائے وقت'' کا دفتر بھی ریلوے روڈ سے بیڈن روڈ لاہور لے آئے اور 15 نومبر 1942ء کو ''نوائے وقت'' ہفتہ وار کر دیا گیا۔ اس کے بعد تو 8-بیڈن روڈ نہ صرف مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن سے تعلق رکھنے والے پرجوش طالب علموں بلکہ حضرت قائداعظمؒ کے شیدائیوں اور تحریک پاکستان کے سپاہی ان اخبار نویسوں کا مرکز بن گیا جو حمید نظامی کی قیادت میں ہفت روزہ ''نوائے وقت'' کو اپنی ان نگارشات سے مزین کرتے تھے جو مسلم لیگ، تحریک پاکستان اور حضرت قائداعظم کے نصب العین سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے کے لئے تحریر کی جاتی تھیں۔ حمید نظامی اس وقت بھی اورینٹ پریس آف انڈیا لاہور کے بدستور ایڈیٹر اور منیجر تھے اور وہاں سے جو تنخواہ پاتے تھے وہ تحریک پاکستان کو آگے بڑھانے کی خاطر

Marfat.com

''نوائے وقت'' کی نذر کر دیتے تھے۔ ان دنوں ان کے دوست ڈاکٹر جمال بھٹہ' ڈاکٹر شبر حسن' ڈاکٹر محمد باقر' میاں محمد شفیع (م ش)' ڈاکٹر مبشر حسن سبھی یک جان ہو کر مضمون نگاری سے لے کر ہفت روزہ ''نوائے وقت'' کے ہاکر تک کا فرض انجام دیتے۔ بلا تکلف اخبار کی کاپیاں چھپنے کے لئے خود پریس دینے جاتے۔ اخبار چھپنے پر خود سروں اور کندھوں پر اٹھا کر دفتر لاتے۔ مالی حالت اس قدر اچھی نہ تھی کہ کٹنگ مشین سے اخبار کی کٹائی کی جاتی اس لئے سبھی دوست پہلے چھپے ہوئے کاغذوں کو ترتیب سے تہہ کرتے اور پھر کسی چھری یا پتری سے کاٹ کر ان کا ورق ورق الگ کرتے اور اخبار کو تہہ کرنے کے بعد خود جا کر ہاکروں کے حوالے کرتے۔ حمید نظامی ایسے تمام کام کرنے میں پیش پیش ہوتے تھے۔ اور یہ کام ایسے حالات میں ہوتا رہا جب آل انڈیا مسلم لیگ اور اس کی قیادت کے موقف کو غلط رنگ میں پیش کر کے مسلم عوام کو دلبرداشتہ کرنے کے لئے پورا ہندو' سکھ اور بڑی حد تک مسلمان پریس بھی پوری شدومد سے کام کر رہا تھا۔ ایسے میں حمید نظامی کی ادارت میں ہفت روزہ ''نوائے وقت'' اپنی بے سروسامانی اور کم مائیگی کے باوجود بڑے حوصلے اور ہمت سے تحریک پاکستان اور مسلم سیاست کی ترجمانی کا حق ادا کر رہا تھا۔ لہٰذا صوبے کی یونینسٹ حکومت کی نظروں میں ''نوائے وقت'' اور اس کے دفتر کی بڑھتی ہوئی رونقوں کا کھٹکنا لازمی امر تھا۔ چنانچہ حکومت کی ہدایات پر حمید نظامی اور ان کے دفتر کی نگرانی سادہ کپڑوں میں ملبوس پولیس اور دوسری خفیہ ایجنسیوں کے اہلکاروں نے شروع کر دی۔ حکومت کے شہ دماغ اس بات سے پوری طرح واقف ہو چکے تھے کہ ہفت روزہ ''نوائے وقت'' اور پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ذریعے مسلمانان ہند کی سیاسی قیادت حضرت قائداعظمؒ کے پیغام کو قریہ قریہ پہنچانے کی منصوبہ بندی حمید نظامی کے ذہن رسا کی مرہون منت ہے۔ اس لئے حمید نظامی کے اخبار کی راہ میں روڑے اٹکانے کے ساتھ ساتھ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن سے وابستہ طالب علموں کو حکومت نے بڑی بڑی دلکش ترغیبات سے ورغلانے کی کوششیں کیں۔ اکثر ایسا ہوا کہ سی آئی ڈی کے افسران نے مسلح پولیس کے ساتھ 8- بیڈن روڈ کا محاصرہ کیا اور کہا کہ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے دفتر میں حمید نظامی اپنے ساتھیوں کے ساتھ حکومت سے بغاوت کا منصوبہ بنا رہے ہیں مگر کسی ٹھوس ثبوت کے باعث انہیں کسی بھی رکن پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ درویش صفت حمید نظامی نے ایسے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے دفتر میں جو واحد بان کی

Marfat.com

چارپائی رکھی تھی اس پر سونا ترک کر دیا کہ تحریک پاکستان کی راہ میں اگر پابند سلاسل کئے جائیں تو زمین پر سونے کی عادت پختہ ہو جانے سے زنداں میں کوئی خوف محسوس نہ ہو۔ جبکہ حکومت کے ذمہ دار ارکان نے بارہا ان سے ملاقات کرنے کی خواہش پہنچائی مگر حمید نظامی نے ہمیشہ ٹکا سا جواب دیا۔

ہندو کانگریس سمیت' ہندو طالب علموں کی تنظیمیں اور یونینسٹ حکومت یہ ادھار کھائے بیٹھے تھے کہ وہ حمید نظامی پر الزام تراشی اور اس کی کردار کشی کر کے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن میں کنفیوژن پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ وہ اچھی طرح اس حقیقت کو جان گئے تھے کہ اگر حمید نظامی کو کسی نہ کسی سازش کے تحت فیڈریشن کی صدارت سے الگ کر دیا جائے تو فیڈریشن کا زور ٹوٹ جائے گا اور پنجاب میں مربوط انداز سے تحریک پاکستان آگے بڑھانے کا منصوبہ بکھر کر رہ جائے گا کیونکہ حمید نظامی جیسا کوئی منصوبہ ساز مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن میں نہیں ہے چنانچہ ایسی ہی سازش کے تحت 3 دسمبر 1942ء کو روزنامہ ''انقلاب'' اور روزنامہ ''احسان'' میں یہ خبر شائع کرائی گئی کہ کونسل آف پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر حمید نظامی کو پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ان کے عہدہ سے الگ کر کے تین سال کے لئے فیڈریشن سے نکال دیا گیا ہے اور فیڈریشن کے دیگر عہدیداروں کا انتخاب بھی کالعدم قرار دے کر نئے عہدیداروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا ہے۔ درحقیقت اس وقت روزنامہ ''انقلاب'' اور ''احسان'' نہ صرف یونینسٹ حکومت کے ترجمان تھے بلکہ یونینسٹ حکومت کی طرف سے انہیں حق الخدمت کے طور پر ماہانہ معتدبہ رقم بھی ادا کی جاتی تھی۔ ان اخبارات میں شائع ہونے والی جعلی خبر کے مطابق جن لوگوں کو سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر اور دیگر عہدیدار بتایا گیا تھا ان کا طلباء تحریک اور تحریک پاکستان سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ حتیٰ کہ وہ طالب علم برادری سے بھی نہیں تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ اس جعلی خبر کے شائع ہونے پر پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے مرکزی دفتر 8- بیڈن روڈ لاہور کی طرف سے اس خبر کے بے بنیاد ہونے سے عبارت پریس ریلیز اخبارات کو بھیجی گئی جس کو کسی اخبار نے شائع نہ کیا۔ جس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اول تو اس وقت ہندو اخبارات کا غلبہ تھا' ان میں ''پرتاب''، ''ملاپ'' اور ''ویر بھارت'' اعلیٰ پایہ کے اخبارات تصور ہوتے تھے۔ جبکہ سکھوں کا اخبار ''اجیت'' تھا۔ ان تمام اخبارات نے مسلمانوں کے

Marfat.com

مفادات کے خلاف اپنے کالموں میں ہرزہ سرائی کو اپنا دھرم سمجھ رکھا تھا جبکہ مسلم اخبارات ''انقلاب'' اور ''احسان'' چندروپوں کی خاطر تحریک پاکستان اور پنجاب میں اس کے ہراول دستے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔ چنانچہ جب ان اخبارات نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن بالخصوص حمید نظامی کے بارے میں بے بنیاد اور جعلی خبریں شائع کیں تو اس سے مسلم لیگی ہائی کمان میں بھی تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ جن پر صورتحال واضح کرنے کے لئے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے دفتر 8- بیڈن روڈ لاہور سے فیڈریشن کے سیکرٹری الیاس مسعود نے 4 دسمبر 1942ء کو حضرت قائداعظمؒ کے نام ایک خط لکھا جس میں حقیقی صورت حال پر روشنی ڈالی اور اپنے قائد حضرت قائداعظمؒ کو یقین دلایا کہ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن اللہ تعالیٰ کی مدد اور آپ (قائداعظمؒ) کی دعاؤں سے اپنی راہ کی تمام مشکلات پر قابو پالے گی۔ چنانچہ حمید نظامی اور ان کے ساتھیوں نے مسلم مفادات کے مخالفین ہندوؤں، سکھوں، یونینسٹوں اور نیشنلسٹ منافق صفت مسلمانوں کی اس خوفناک مشترکہ سازش کو ناکام بنادیا۔

Marfat.com

حمید نظامی اور تحریک پاکستان

☆ ......اور نوائے وقت روزنامہ ہو گیا

☆ حمید نظامی اپنوں اور اغیار کے نرغے میں

☆ بے باک اور آزاد صحافت

Marfat.com

From Mohammad Ilyas to M.A. Jinnah**

8-Beadon Road,
Lahore.
4th Dec. 1942.

Ref No. 138/NS.

Dear Qaid-e-Azam,

Your successful tour of the Province and the historic sessions at Julfundur and Lyalipur have made our old "friends" very nervous. Frantic efforts were made to create rift in our ranks. These efforts failed miserably.

Yesterday a report was published in "Inqilab[1]" and "Ehsan[2]" to the effect that the Council of the Punjab Muslim Students Federation met and resolved to expel Mr. Hameed Nizami, our President, from the Punjab Muslim Students Federation for three years! Other office bearers, said the report, automatically, cease to be office bearers of the Punjab Muslim Students Federation. The publicity for this report was secured through the personal efforts of Mr. Abdul Majid Salik[3], Editor [of] the "Inqilab"—the semi official organ of the Unionist Party. This gentleman seems to be working under orders from above. We want a contradiction saying that no meeting was held and no such decision was arrived at. It has not been published in any paper. Mr. Salik drafted a damaging note and it was published in all the three papers which are receiving Rs. 1000/- per annum from the Government.

Attempts are being made to sabotage our movement. Bogus office bearers have been elected as President, Secretaries and Deputy Presidents. Some of them are not even students, and most of them have nothing to do with the students movement. Mr. Salik's son[4], who is a Government employee, is the ring leader.

We assure you that, with the help of God and with your blessings, we will be able to overcome this trouble.

With best respects,

Yours sincerely,
M. Ilyas
Secretary,
[Punjab Muslim Students Federation]

Marfat.com

حمید نظامی 10 اکتوبر 1943ء کو رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔ ان دنوں تحریک پاکستان اپنے فیصلہ کن دور میں داخل ہو رہی تھی مگر مسلم لیگ کی ترجمانی کرنے والا کوئی اردو اخبار نہیں تھا جو دل و جان کے ساتھ تحریک پاکستان اور حضرت قائداعظمؒ کا ترجمان بن کر سرگرم عمل ہوتا۔ ایسے میں حمید نظامی نے ملی ضرورت کو محسوس کیا اور ہفت روزہ ''نوائے وقت'' کو روزانہ کرنے کے لئے دن رات سوچ و بچار کرنے لگے۔ مگر اس مقصد کے لئے سرمائے کی ضرورت تھی جس کا ان کے ہاں فقدان تھا۔ اس میدان میں جو رفیق کار حمید نظامی کے دست و بازو بنے ہوئے تھے' سبھی متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔

انہی دنوں وزیراعلیٰ پنجاب سر خضر حیات نے مخصوص مفادات کے تحت حضرت قائداعظمؒ اور مسلم لیگ کو نقصان پہنچانے والی پالیسی اختیار کر لی اور مالی مفادات کے تحت ہندو اور سکھ اخبارات سمیت بعض مسلم اخبارات نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملا کر حضرت قائداعظمؒ کے مطالبہ پاکستان کے خلاف میڈیا وار شروع کر دی تھی۔ حضرت قائداعظم کو اس حقیقت کا بخوبی علم تھا کہ پنجاب میں حمید نظامی کی زیر صدارت ہفت روزہ ''نوائے وقت'' انتہائی دلیری' بے خوفی اور بے باکی کے ساتھ تحریک پاکستان کے محاذ پر ہندو کانگریس' یونینسٹوں اور کانگریس کی ہمنوا بعض مسلم تنظیموں کے خلاف چومکھی جنگ لڑ رہا ہے۔ قائداعظمؒ کی نگاہ جوہر شناس حمید نظامی کے اندر خوابیدہ صلاحیتوں سے پوری طرح واقف ہو چکی تھی۔ اس لئے انہوں نے حمید نظامی کو اپنے ہاں بلایا اور کہا کہ ''میرے خیال میں اب وقت آ گیا ہے کہ مسلم لیگ کا ایک روزنامہ ہو جو اس کا ترجمان ہو۔ اور میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ''نوائے وقت'' کو روزنامہ کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں

Marfat.com

حمید نظامی کے منجھلے بیٹے عارف نظامی جنہوں نے صحافت کا آغاز اپنے چچا مجید نظامی کی زیر
ادارت روزنامہ نوائے وقت سے کیا اور پھر انگریزی اخبار "دی نیشن" کے ایڈیٹر بنائے گئے

Marfat.com

ضروری انتظامات کے لئے میں نے ممتاز محمد خاں دولتانہ کو ہدایات دے دی ہیں کہ وہ آپ (حمید نظامی) سے اس معاملے میں تفصیلات طے کریں۔ آپ دولتانہ سے اس سلسلے میں بات چیت کر کے معاملات طے کریں''۔

حمید نظامی نے حضرت قائداعظمؒ سے ملاقات کے بعد واپس آ کر 8- بیڈن روڈ لاہور میں ہفت روزہ ''نوائے وقت'' کے دفتر میں اپنے رفقاء کار کو اکٹھا کیا اور حضرت قائداعظمؒ کے ساتھ ہونے والی گفتگو کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ احباب نے حضرت قائداعظمؒ کی خواہش کے مطابق ممتاز دولتانہ سے اس بارے میں بات چیت کرنے کی رائے دی۔

حمید نظامی نے اگلے روز ممتاز دولتانہ سے ملاقات کی۔ دولتانہ کو حضرت قائداعظمؒ کی طرف سے اس بارے میں ہدایات مل چکی تھیں۔ اس ملاقات میں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے تجویز کیا تھا کہ ''نوائے وقت'' کو روزانہ کرنے کے لئے پچاس ہزار روپے کے سرمائے سے ایک پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنی بنائی جائے۔ ''نوائے وقت'' کو اس کے سپرد کر دیا جائے۔ کمپنی کی ہیئت ترکیبی یہ ہو کہ دس دس ہزار روپے نقد ادا کر کے مدیر ''ہمایوں'' بیرسٹر میاں بشیر احمد' سردار شوکت حیات' میاں ممتاز دولتانہ اور نواب ممدوٹ کمپنی کے حصہ دار بنیں۔ حمید نظامی کو بھی دس ہزار روپے کا حصہ دار بنایا جائے مگر ان کے دس ہزار ہفت روزہ ''نوائے وقت'' کی ''گڈ ول'' کے عوض تصور ہوں گے وہ نقد ادا نہیں کریں گے۔

ممتاز دولتانہ سے مذاکرات جاری تھے کہ حمید نظامی کے رفقاء میں سے بعض کی رائے تھی کہ معاملہ طے کر لینا چاہئے مگر بعض کا خیال تھا کہ بڑے بڑے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا کمپنی کا حصہ دار ہونے سے ''نوائے وقت'' صحیح معنوں میں عوام کی ترجمانی کا حق ادا نہیں کر سکے گا۔ حمید نظامی تمام دوستوں کی آراء کو بڑے غور و فکر سے سن رہے تھے۔ اسی دوران انہوں نے اپنے ایک اور گہرے دوست ڈاکٹر شبر کو تمام صورت حال سے آگاہ کرنے کے لئے ان کا پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ پانی پت گئے ہوئے ہیں۔ حمید نظامی نے اپنے آدمی کے ہاتھ ایک رقعہ قریبی دوست ڈاکٹر جمال بھٹہ کو بھیجا جس میں لکھا تھا کہ میں شبر حسن سے ملنے پانی پت جا رہا ہوں' واپسی پر ممتاز دولتانہ سے مذاکرات میں حتمی فیصلہ کرنا ہے۔ دو روز تک پانی پت سے واپس آ جاؤں گا۔ حمید نظامی کے اس رقعہ کا مقصد یہ تھا کہ ان کی واپسی تک ڈاکٹر جمال بھٹہ اس بارے میں اپنی تجاویز تیار رکھیں۔ چنانچہ دو روز بعد حمید نظامی واپس لاہور پہنچ گئے اور اسی شام کو ڈاکٹر

Marfat.com

"Kooshik",
Near Nishat,
Srinagar, Kashmir,
16th May, 1944.

Dear Mr. Nizami,

I thank you for your letter of the 22nd April, enclosing a cutting from the "Nawa-i-Waqt" Weekly, which I have read with very great interest, and I am sorry I was not able to reply to you earlier.

I sincerely hope that your weekly will support the creed, policy and programme of the All India Muslim League, and thus make its contribution towards the Muslim national struggle that we are carrying on.

Yours sincerely,

M. A. Jinnah

A. H. Nizami, Esq., M.A.,
Mg. Editor,
The "Nawa-i-Waqt" Weekly,
8, Beadon Road,
LAHORE.

Marfat.com

جمال بھٹہ، ڈاکٹر محمد باقر، شیخ انوار الحق وغیرہ ''نوائے وقت'' کے دفتر میں اکٹھے ہوئے۔ جن دوستوں نے اخبار میں سیاستدانوں کی شراکت کو غیر مناسب قرار دیا ان میں ڈاکٹر جمال بھٹہ پیش پیش تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ایسا وقت بھی آسکتا ہے کہ جاگیرداروں اور عوام کے مفادات میں ٹکراؤ ہو۔ جبکہ جن لوگوں کو ممتاز دولتانہ نے حصہ دار بنانے کی تجویز دی ہے سبھی اعلیٰ سطح کے زمیندار طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان میں صرف میاں بشیر احمد ہی قدرے عوامی سوچ کی حامل شخصیت ہیں مگر باقیوں کے مقابلے میں ان کا پلڑا ہلکا رہے گا۔

اسی مجلسِ مشاورت میں حمید نظامی نے معاملے کی ہر پہلو سے چھان پھٹک کی خاطر کہا کہ ''معاہدے میں ایک شرط یہ بھی ہوگی کہ میں اخبار کا تاحیات مدیرِ اعلیٰ رہوں گا اور مدیرِ اعلیٰ کی پالیسی ہی اخبار میں چلے گی، باقی کوئی حصہ دار اس میں دخل اندازی نہیں کرے گا''۔

اس پر دولتانہ کی تجویز سے اتفاق نہ کرنے والوں کا استدلال تھا کہ عقل یہ نہیں مانتی کہ باقی چاروں سرمایہ دار اور زمیندار حصہ دار پالیسی کے معاملے میں ہمیشہ کے لئے خاموشی اختیار کر کے مدیرِ اعلیٰ کو خود مختار رہنے دیں گے۔ چونکہ موجودہ حالات میں ہمارے اور ان (مجوزہ حصہ داروں) کے خیالات یکساں ہیں، وہ مسلم لیگ میں ہیں۔ اور آپ (حمید نظامی) مسلم لیگ کے زبردست حامی اور ترجمان ہیں۔ اور اسی پالیسی کی آئینہ دار آپ کی تحریروں کے باعث ہفت روزہ ''نوائے وقت'' پنجاب کے طول و عرض اور باہر کے علاقوں میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور پڑھا جا رہا ہے مگر اس کی کیا ضمانت ہے کہ کبھی ''نوائے وقت'' کے مدیرِ اعلیٰ اور حصہ داروں میں اختلاف پیدا ہو جائے تو پھر حالات کیا رخ اختیار کریں گے؟

درحقیقت حمید نظامی اپنے قائد محمد علی جناح کے حکم کی تعمیل میں ہر قیمت پر اخبار کو روزانہ بنانے کے خواہاں تھے۔ قائد ہی کے حکم پر انہوں نے دولتانہ سے مذاکرات کا آغاز کیا تھا۔ مگر وہ ان رفقاء کے مشورے کے بغیر اس بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے کے قطعی طور پر حق میں نہیں تھے جو رفقاء آغازِ سفر ہی سے ان کے ہمدم و دمساز چلے آ رہے تھے۔ چنانچہ جب ان احباب نے اس معاملے میں مختلف قسم کے خدشات کا اظہار کیا تو انہوں نے دوستوں کی ایسی سوچ کو اپنی سوچ سے ہم آہنگ محسوس کیا۔ انہوں نے دوستوں کی رائے پوچھی: ''اگر یہ تجویز رد کر دی جائے تو پھر ''نوائے وقت'' کو روزانہ کرنے کی کیا صورت ہوگی جبکہ اس مقصد کے لئے کم از کم بیس ہزار روپے درکار ہوں گے؟'' رفقاء کا جواب تھا: ''یہ بیس ہزار اکٹھا کرنے کے لئے ہم سب اپنے

Marfat.com

اپنے حلقہ اثر کے لوگوں کی فہرست مرتب کرتے ہیں' ان سے یہ رقم اکٹھی ہو سکتی ہے' ہفت روزہ ''نوائے وقت'' کے والا وشیدا قارئین سے ہمیں اتنی تعداد میں لوگ مل جائیں گے جن سے ہم دو دو سو روپے اکٹھا کر کے بیس ہزار جمع کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ بعد میں مدیر اعلیٰ کے لئے کسی پرابلم کا باعث نہیں بنیں گے کیونکہ وہ سبھی عوام میں سے ہوں گے اور ''نوائے وقت'' کی پالیسی عوامی امنگوں ہی کی ترجمان ہوگی''۔ اس پر حمید نظامی نے کہا کہ ''میں نے کچھ اور دوستوں سے اس مسئلہ پر ان کی رائے لی تھی' کسی نے بھی ممتاز دولتانہ کی تجویز سے اتفاق نہیں کیا''۔ اور چند لمحے توقف کے بعد حمید نظامی نے کہا: ''آپ کی رائے درست ہے''۔ گویا یہ حمید نظامی کے دل کی آواز تھی مگر وہ ہر حالت میں ''نوائے وقت'' کو روزانہ کرنے کے عزم پر قائم تھے۔

اس کے اگلے روز حمید نظامی نے دولتانہ سے ملاقات کر کے انہیں صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ ''آپ کی تجاویز بعض وجوہ کی بنا پر ہمارے لئے قابل قبول نہیں''۔

لطف کی بات یہ ہے کہ اس کے چند ہی یوم بعد قدرت نے حمید نظامی کی آرزو اور حضرت قائداعظمؒ کی خواہش کی تکمیل کے اسباب پیدا کر دیئے۔ حمید نظامی کے ایک دوست شیخ حامد محمود نے اخبار کے لئے سرمایہ فراہم کر دیا۔ وہ اخبار میں حصہ دار بن کر مینجنگ ایڈیٹر ہو گئے۔ ہفت روزہ ''نوائے وقت'' 22 جولائی 1944 کو روزانہ ہو گیا۔ حمید نظامی اس کے مدیر اعلیٰ تھے۔ اسی دن سے حمید نظامی اور ''نوائے وقت'' کا تحریک پاکستان کے حوالے سے اپنی زندگی کا انتہائی کٹھن مگر تاریخ ساز دور شروع ہوا جو بعد میں قومی تاریخ کا ناقابل فراموش باب بنا اور حمید نظامی کو قومی صحافت میں ایسا منفرد و ممتاز مقام عطا کر گیا جو قیام پاکستان کے بعد بھی کسی اخبار نویس کے حصہ میں نہ آیا۔

حمید نظامی نے جہاں حضرت قائداعظمؒ کی منشاء و خواہش کی تکمیل میں روزنامہ ''نوائے وقت'' کا اجراء کیا وہاں تصور پاکستان کے خالق حکیم الامت علامہ اقبالؒ سے فکری رہنمائی حاصل کرنے کا واضح اعلان علامہؒ کے اس شعر کو ''نوائے وقت'' کی پیشانی کے ساتھ رقم کر کے کیا۔

اندھیری شب ہے جدا اپنے قافلہ سے تو
ترے لئے ہے مرا شعلہ نوا قندیل

روزنامہ ''نوائے وقت'' شروع میں چار صفحات کا نکالا گیا۔ حمید نظامی نے انہی چار صفحات

Marfat.com

میں مواد کی تقسیم اس طرح کی کہ جسے عوام الناس نے بے پناہ پسند کیا۔ اداریہ اور شذرات کے صفحہ پر بائیں طرف کے آخری دو کالموں میں مزاحیہ اور طنزیہ کالم ''سر راہے'' کے عنوان سے شائع کیا جانے لگا۔ اس صفحے کا جو ڈیزائن حمید نظامی نے تیار کیا تھا وہ ہمیشہ کے لئے اس کے لئے لازم و ملزوم ہوا۔ روزنامہ ''نوائے وقت'' کے ادارتی عملے میں ان کے پرانے رفیق کار مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سرگرم رکن سید ظہور عالم شہید' حاجی صالح محمد صدیق اور گوپال متن شامل تھے۔ گوپال متن ترقی پسند سوشلسٹ تھے اور پائے کے اخبار نویس تھے۔

روزنامہ ''نوائے وقت'' محدود سرمائے مگر قومی خدمت کے بے پناہ جذبوں کے ساتھ منصہ شہود پر آیا تھا۔ اس کے مقابلے میں ہندو مہاجنوں کے اعلیٰ پایہ کے اخبار تھے جن کی پشت پر آل انڈیا کانگریس کا سرمایہ بھی تھا مگر حمید نظامی کے ذہن رسا نے مسلم عوام کو روزنامہ ''نوائے وقت'' کی طرف راغب کرنے کے لئے نت نئے طریقے اختیار کئے۔ کہیں ''نوائے وقت'' کی خوبیوں سے عبارت اشتہارات شائع کئے جاتے' کہیں دوسرے اخبارات اور ''نوائے وقت'' کی خبروں کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا اور اخبار کو ہر لحاظ سے بھرپور بنانے کے لئے انہوں نے اس دور کی عالمی خبر رساں ایجنسیوں کی سروسز حاصل کیں ان میں رائٹر' اے پی پی' یونائیٹڈ پریس اور اورینٹ پریس شامل تھیں۔ اسی دور میں حمید نظامی نے ادارتی صفحہ پر چوکھٹوں میں فرمودہ اقبال کے عنوان سے علامہ اقبالؒ کے اشعار دینے کی روایت قائم کی۔ اس طرح چند ہی ہفتوں میں حمید نظامی کی بے باک اور بے خوف تحریروں' تازہ ترین خبروں' اسلامی ممالک کے حالات کی اشاعت' حکومت کی مسلم کش پالیسیوں پر بے رحمانہ تنقید اور آزاد مسلک کی بدولت ''نوائے وقت'' نے ہندوستان کے مسلمانوں میں دوسرے جرائد کی نسبت ممتاز مقام حاصل کر لیا۔ حمید نظامی کے صاف ستھرے اور دوٹوک الفاظ میں لکھے گئے اداریوں اور مخرب الاخلاق مواد سے یکسر پاک دیگر مضامین کی اشاعت کے نتیجے میں بالغ نظر اور سنجیدہ حلقوں میں ''نوائے وقت'' کی پذیرائی کے دروازے وا ہو گئے۔ پڑھے لکھے سیاسی اور عوامی حلقوں میں حمید نظامی اور ''نوائے وقت'' کے چرچے ہونے لگے۔ اگرچہ ادارتی صفحہ پر اداریہ کے علاوہ سر راہے حمید نظامی کا مستقل کالم تھا مگر کبھی کبھی قارئین کا ذائقہ بدلنے کے لئے حمید نظامی نے سر راہے کی جگہ تیر و نشتر کے عنوان سے جو کالم لکھے وہ ان کے قلمی نام ''تیرانداز'' کے نام سے تھے۔

حمید نظامی پر جہاں روزنامہ ''نوائے وقت'' کی ادارتی ذمہ داریوں کا بوجھ تھا وہاں وہ

Marfat.com

اورینٹ پریس کے بھی بدستور ایڈیٹر اور مینجر تھے۔ حمید نظامی نے اپنی فہم وفراست کو بروئے کار لاکر اورینٹ پریس کو یہ خبر مہیا کی کہ پاکستان کا تصور علامہ اقبال کا تخلیق کردہ تھا۔ اس سے قبل اس خبر پر نہ کسی مسلم اخبار یا خبر رساں ایجنسی کے کسی شہ دماغ نے کام کیا تھا نہ ایسی خبر کی تخلیق کسی صحافی کے وہم وگمان میں تھی اور نہ ہی عوام اس بارے میں کسی تفصیل یا حقائق سے آگاہ تھے۔ چنانچہ حمید نظامی نے اپنے رفقاء کے ساتھ رات گئے نیوز ڈیسک پر کام کرتے ہوئے 10 دسمبر 1944ء کو روزنامہ ''نوائے وقت'' کے صفحہ اول پر اورینٹ پریس (او پی) کے حوالے سے اس خبر کو نمایاں طور پر اس طرح شائع کیا۔

''اقبال نے سب سے پہلے پاکستان کا تصور پیش کیا تھا''۔

صحافت میں تصور پاکستان کے حوالے سے یہ پہلا سکوپ تھا۔ علاوہ ازیں انہی دنوں حمید نظامی کے اداریوں نے چار دانگ عالم میں ان کی دھاک بٹھادی تھی۔ ان کی تحریر انتہائی کاٹ دار تھی اسی لئے 1945ء کے آغاز کے ساتھ ہی حمید نظامی کا شمار برصغیر کے مقتدر مسلم اخبار نویسوں میں ہونے لگ گیا۔ اپنی سنجیدہ اور متین تحریروں، حق پرستی اور حق گوئی کی بدولت مسلم اکابرین میں انہیں برملا طور پر اسلامیان ہند بالخصوص حضرت قائداعظمؒ اور آل انڈیا مسلم لیگ کا ترجمان کا نام دیا جانے لگا۔

حمید نظامی کی رات دن کی عرق ریزی سے ''نوائے وقت'' اشاعت کے لحاظ سے اس دور کے بڑے بڑے اخبارات کا ہم پلہ ہوگیا۔ اس کے ساتھ حمید نظامی نے محسوس کیا کہ ہندو پریس کا مقابلہ کرنے کے لئے ''نوائے وقت'' کی ضخامت بڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ مسلم لیگ اور حضرت قائداعظمؒ کے بیانات سے عبارت خبریں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شائع کئے جاسکیں۔ جس سے تحریک پاکستان کو تقویت ملے۔

چنانچہ حمید نظامی نے جون 1945ء میں ''نوائے وقت'' کے صفحات 4 سے بڑھا کر 6 کر دیئے اور اس کی قیمت ایک آنہ کی بجائے ڈیڑھ آنہ (چھ پیسے) کردی گئی۔ اس وقت ایک روپے میں 64 پیسے ہوا کرتے تھے۔ انہی دنوں حمید نظامی کی ہدایت پر ''نوائے وقت'' میں ہندوستان کے کونے کونے سے موصول ہونے والی خبریں دی جانے لگیں اور ایسی خبروں کے لئے صفحہ نمبر 5 اور 6 مخصوص کردیئے گئے۔

Marfat.com

اس عرصے کے دوران میں حمید نظامی نے جس مشن کی خاطر ''نوائے وقت'' جاری کیا تھا وہ مشن انہوں نے لمحہ بھر کے لئے نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ وہ تو اخبار کو زندہ و توانا ہی اسی لئے رکھنے اور دیکھنے میں کوشاں تھے کہ تحریک پاکستان کو تیز تر کرنے کے لئے ملت کو تیار کیا جائے۔ وہ اخلاقی اور انسانیت کے لحاظ سے جس قد کاٹھ کے اخبار نویس تھے اس کا اندازہ تو انہی کے وضع کردہ معیار و اصول سے لگایا جائے تو بہتر ہے۔ جب فرنگی سامراج اور برہمن ازم کا گٹھ جوڑ مسلمانان ہند کو سیاسی طور پر مفلس اور مفلوک الحال رکھنے کی سازشوں پر عمل پیرا تھا کہ حمید نظامی نے یہ اشتہار دے کر حکومتی اور کانگریسی حلقوں کو لرزہ براندام کر دیا کہ......

''○ اگر آپ کو علم ہے کہ کسی سرکاری محکمہ میں مسلمان ملازموں کے حقوق پامال ہو رہے ہیں۔

○ اگر آپ مسلم لیگ کی تبلیغی اور تنظیمی سرگرمیوں سے وابستہ ہیں۔ اگر آپ کے علاقے میں مسلمانوں کے مسائل و مشکلات ایسے ہیں کہ انہیں پبلک میں بیان کرنا ضروری ہے تو ان تمام کوائف و حالات کو ''نوائے وقت'' میں اشاعت کے لئے بھیجئے۔ نامہ نگار کا نام ان کی اجازت کے بغیر ظاہر نہیں کیا جائے گا''۔

حقیقت یہ ہے کہ 1945ء میں تو حمید نظامی صحافتی محاذ پر تحریک پاکستان کے لئے سرفروشانہ انداز میں جنگ لڑ رہے تھے۔ اس جنگ میں ان کا قلم شمشیر خاراشگاف کی مانند فرنگی حکومت، کانگریس، یونینسٹ صوبائی حکومت اور کانگریس کے ہمنوا عاقبت نااندیش مسلمانوں کی سوچ و فکر کے پرخچے اڑا رہا تھا۔ وہ اکیلے ان تمام حلقوں کی طرف سے مسلم لیگ اور حضرت قائد اعظمؒ پر اٹھائے گئے الزامات اور ہندو اخبارات کی طرف سے ہونے والی ہرزہ سرائی کا جواب دے کر حساب بیباک کرتے۔ کوئی ایسا واقعہ، بیان یا مضمون نظروں سے جانے نہ دیتے جس کی اشاعت سے حضرت قائد اعظمؒ کے دو قومی نظریہ کو تقویت ملتی۔ جیسا کہ جون 1945ء ہی کے ایک شمارے میں تیسرے صفحہ پر ایک مضمون دیا گیا جس کا عنوان تھا:

''ہندوستان کے مسلمان اقلیت نہیں ایک مستقل قوم ہیں''۔

------ ہندو مفکر مسٹر کے ایم پانیکا کا تبصرہ۔

اور بیوری نکلسن کے تاثرات سے عبارت مضمون کی یہ سرخی جمائی گئی۔

''گاندھی جی کا اچھوتوں کی حمایت کرنا ایک ڈھونگ ہے''۔

Marfat.com

ایسے میں حمید نظامی کو ہندو انتہا پسندوں سمیت یونینسٹوں کی طرف سے بھی طرح طرح دھمکیاں ملتی رہیں مگر وہ بے خوفی کے ساتھ حق و صداقت کی راہ پر چلتے رہے۔

یوں تو حمید نظامی نے صحافتی محاذ پر تحریک پاکستان کے کئی معرکے سر کئے مگر 1946ء کے انتخابات کے موقع پر تو حمید نظامی نے مسلم لیگی امیدواروں کی کامیابی کے لئے تاریخی اور نا قابل فراموش کردار ادا کیا۔ مسلم لیگی امیدواروں کے ناموں' ان کے حلقوں اور وہاں کے مسلمان زعماء کا ایک مکمل چارٹ تیار کیا۔ ان کو خطوط لکھے۔ اشتہار شائع کیا کہ مسلم جمہور کو مسلم لیگ کی سرگرمیوں سے آگاہ کرنے کے لئے اپنی تحریریں بھیجی جائیں۔ جس کے لئے انہوں نے اخبار میں مستقل کالم شروع کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ 1946ء کے انتخابات میں حمید نظامی نے جی جان کے ساتھ حضرت قائداعظم کے جانثار ساتھی اور ادنیٰ کارکن کی طرح صحافت کے میدان میں سرگرم عمل ہونے کا ایک ریکارڈ قائم کیا۔ یہ صرف حمید نظامی کی تحریروں اور عملی جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ پنجاب اور دیگر علاقوں کے مسلم نوجوان مسلم لیگی امیدواروں کو کامیاب کرانے کے لئے سیاست میں کود پڑے۔ حمید نظامی کے اس کردار کو تحریک پاکستان کا کوئی مؤرخ بھی خراج تحسین ادا کئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکے گا۔

19 جنوری 1946ء کو حمید نظامی کی خوشی دیدنی تھی۔ ان کا چہرہ مسرت و شادمانی سے تمتما رہا تھا۔ اس روز انہوں نے ''نوائے وقت'' کے عملے کو مٹھائی بھی کھلائی۔ جب یہ خبر موصول ہوئی۔ کہ قائداعظمؒ کو مرکزی اسمبلی کی لیگ پارٹی کا لیڈر منتخب کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ 20 جنوری 1946ء کے ''نوائے وقت'' کے لئے ان کے رفیق کار سید ظہور عالم شہید نے یہ شہ سرخی بنا کر حمید نظامی کو دکھائی:

''قائداعظم مرکزی اسمبلی کی لیگ پارٹی کے لیڈر منتخب ہو گئے''۔

تو حمید نظامی نے وفور جذبات سے مغلوب ہو کر شہید صاحب کو کرسی سے اٹھا کر سینے سے لگا کر شاباش دی۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ حمید نظامی کسی رفیق کار' ساتھی یا ادارے کے کارکن کی اچھی کارکردگی پر کھل کر تعریف کرتے تھے اور اپنے ساتھی اہلکاروں کے اچھے کام پر ان کی منہ پر تعریف کرنے میں بخیل نہیں تھے۔

Marfat.com

بیسویں صدی کے تاریخ ساز انتخابات

☆ تحریک پاکستان میڈیا کے محاذ پر

☆ ہندو کانگریس کے خلاف عہد آفریں کردار

☆ گاندھی کی سازش بے نقاب

Marfat.com

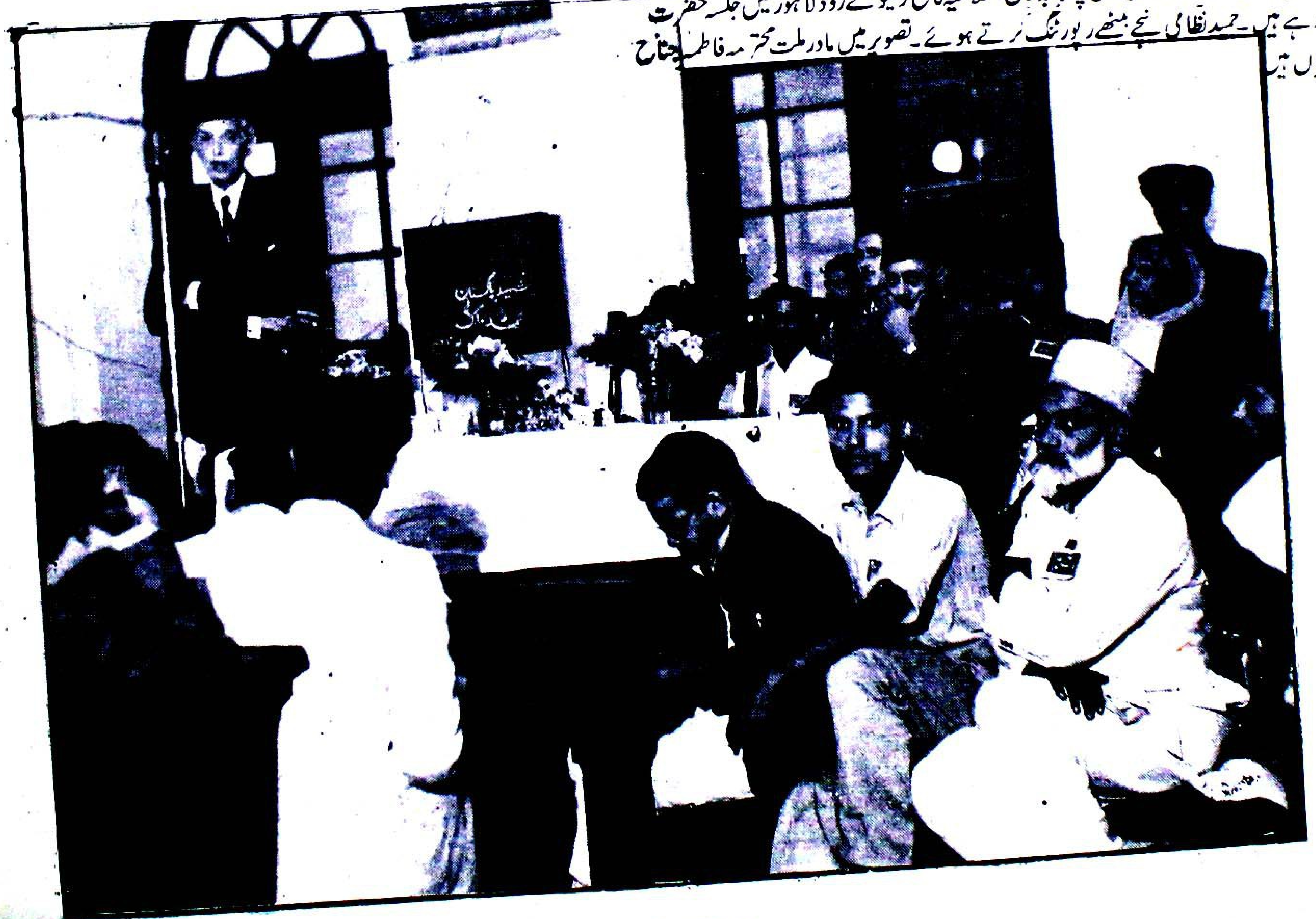

تحریک پاکستان کے پہلے شہید عبدالمالک کی برسی پر حبیبہ ہال اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں جلسہ حضرت قائداعظم تقریر کر رہے ہیں۔ حمید نظامی نیچے بیٹھے رپورٹنگ کرتے ہوئے۔ تصویر میں مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح اور نواب ممدوٹ نمایاں ہیں

Marfat.com

حمید نظامی نے 1946ء کے انتخابات کے موقعہ پر یونینسٹوں کو جس طرح آڑے ہاتھوں لیا' یہ کچھ حمید نظامی جیسے دل گردے کے صحافی کا کام ہی ہوسکتا تھا۔ حمید نظامی یونینسٹوں کے اس ٹولے کے تعاقب میں رہے جو صوبائی وزارت میں شمولیت کے لئے دوڑ دھوپ میں اپنا خون پسینہ ایک کر رہا تھا۔ حمید نظامی نے اپنے اداریوں' مضامین اور مقبول کالم سرراہے میں ان یونینسٹوں کو ''خوشامدیوں' ٹوڈیوں اور نوابوں کے ٹولے'' کے نام دیئے۔ جب یونینسٹوں کی طرف سے مسلم لیگ کو حکومت سے باہر رکھنے کے لئے تمام اصولوں کو پامال کیا جانے لگا تو یکم مارچ 1946ء کو حمید نظامی نے ''وزارت ہے مطلوب و مقصود تو دی'' کے عنوان سے جو اداریہ لکھا اس نے حکومتی اور عوامی سطح پہ تہلکہ مچا دیا۔ انہوں نے لکھا تھا:

''ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کی روایت ہے کہ یونینسٹ پارٹی کے ایک ترجمان نے اس خبر رساں ایجنسی کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ پنجاب میں تشکیل وزارت کے لئے جو سرگرمیاں جاری ہیں ان میں ہماری حیثیت محض ایک تماشائی کی ہے۔ اگر کانگریس اور اکالی آپس میں کوئی سمجھوتہ کر لیں اور ان کی وزارت بن سکے تو ہم ان سے مل جائیں گے'' ـــــ ''سبحان اللہ کیا مبارک اور بلند ارادے ہیں۔ لیگ' کانگریس اور اکالی تینوں پارٹیوں کی تعداد یونینسٹوں سے زیادہ ہے اور وزارت میں شرکت کے لئے ان کے مواقع بھی اس نسبت سے زیادہ ہیں۔ مگر سب پارٹیاں یہ کہہ رہی ہیں کہ ہم اصولوں کو وزارت پر قربان نہیں کر سکتے۔ ہماری فلاں فلاں بات مانی جائے تو ہم کانگریس سے یا لیگ سے یا اکالیوں سے کولیشن پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔ مگر اس صوبے میں کچھ ایسے ''اصول پرور'' لوگ بھی ہیں جو یہ کہتے ہوئے

Marfat.com

نہیں شرماتے کہ ہمیں کسی اصول کی پرواہ نہیں نہ ہم کوئی شرط عائد کرتے ہیں۔ اکالی اور کانگریس آپس میں شرط طے کر لیں' اگر ان کا سمجھوتہ طے ہو گیا تو ہم بھی ان سے مل جائیں گے اور..... کیا حاصل کریں گے؟ ایک وزارت! کیونکہ 14-15 ممبروں کی پارٹی کو چھ ارکان کی کابینہ میں اس سے زیادہ کیا حصہ مل سکتا ہے؟''۔

سچی بات تو یہ ہے کہ تحریک پاکستان کے دوران میں 1946ء کا سال ہر لحاظ سے انتہائی اہم سیاسی معرکوں کا سال تھا جس میں فرنگی سامراج سمیت کانگریس' یونینسٹوں اور اکالیوں نے باہمی گٹھ جوڑ سے مسلم لیگ کی کارروائیوں اور کامیابیوں کو سبوتاژ کرنے کی سازشیں کیں اور ان سازشوں کا مقابلہ صحافتی محاذ پر جو شخص دیوانہ وار کر رہا تھا وہ اکیلا حمید نظامی تھا جو اپنی تحریروں میں یونینسٹوں سمیت ان کے تنخواہ دار مسلم اخبارات کے ڈھول کا پول کھولنے کے ساتھ ساتھ تحریک پاکستان کے کارواں کے حدی خوان کا کردار بھی ادا کر رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ 1946ء میں حمید نظامی کے ''نوائے وقت'' کی اشاعت پنجاب سے شائع ہونے والے ہندوؤں' سکھوں اور مسلمانوں کے تمام اخبارات سے کہیں زیادہ ہو گئی۔ حمید نظامی نے مسلم لیگ اور حضرت قائد اعظمؒ کے پیغام کو پنجاب اور دیگر صوبوں کے مسلم عوام تک پہنچانے کے جس منصوبے کی نیو 23 مارچ 1940ء کو اٹھائی تھی یہ اس کے ثمرات تھے کہ 1946ء میں شاید ہی پنجاب کا ایسا کوئی مسلم گھرانہ تھا جہاں ''نوائے وقت'' پڑھا نہ جاتا ہو اور اس میں حمید نظامی کی تحریروں کی صداقت کی دھوم نہ ہو۔

دوسری جنگ عظیم کے نتیجے میں اخباری کاغذ کی کمی ہوئی تو اس کا اثر ''نوائے وقت'' کی اشاعت پر پڑنا اس لئے ضروری تھا کہ حکومت کی طرف سے کاغذ کا جتنا کوٹہ ملتا تھا اخبار اتنی ہی تعداد میں طبع ہوتا تھا۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ 1946ء کے ابتدائی مہینوں میں بعض علاقوں کے مسلم عوام میں ''نوائے وقت'' کو اخبار فروش حضرات چھ پیسے (ڈیڑھ آنے) کی بجائے آٹھ آٹھ آنے میں فروخت کرتے رہے۔ جب یہ حقائق حمید نظامی تک پہنچے تو انہوں نے ''نوائے وقت'' میں مارچ 1946ء کے اوائل میں ایک نمایاں اشتہار کے ذریعے قارئین کرام سے درخواست کی کہ وہ مقررہ قیمت سے زیادہ پر اخبار خریدنے کی بجائے کسی دوست یا پڑوسی سے ''نوائے وقت'' لے کر پڑھ لیا کریں' خود نہ خریدیں۔

Marfat.com

ایک طرف تو حمید نظامی اس قوم کی تربیت اخلاقی اصولوں کے مطابق کرتے چلے جا رہے تھے جو منزل آزادی کی طرف بڑھ رہی تھی اس کے ساتھ ہی دوسری طرف وہ ان افواہوں کی تردید کرنا اخبار میں ضروری سمجھتے تھے جو ہندو پریس اور یونینسٹوں کے بعض حامی مسلم اخبارات کی طرف سے مسلم لیگ میں پھوٹ ڈالنے کے لئے اڑائی جا رہی تھیں۔ ایسی خبروں کا مقصد مسلم جمہور میں بددلی پھیلانا ہوتا تھا۔ ایسی خبروں سے مسلمانوں میں اضطرابی کیفیت کا عیاں ہونا فطری امر تھا۔ حمید نظامی نے ایسی خبروں کا نوٹس لیتے ہوئے 3 مارچ 1946ء کے صفحہ اول پر ایک ڈبل کالم چوکھٹا دیا جس میں لکھا تھا:

افواہوں پر یقین نہ کیجئے

''لیگ کے بعض مخالف اخبارات مسلمانوں کو ایسی خبروں سے گمراہ کرنا چاہتے ہیں کہ لیگ پارٹی کے بعض ممبر پارٹی چھوڑ رہے ہیں۔ اب تک لیگ کے متعلق ان اخبارات کا پروپیگنڈہ ہمیشہ بے بنیاد اور غلط ہی ثابت ہوا ہے۔ ایسی افواہوں پر یقین نہ کیجئے''۔

جوں جوں پاکستان کی منزل قریب آ رہی تھی، ہندو سکھ اخبارات میں موہن دام کرم چند گاندھی اپنے بیانات میں سادہ لوح مسلمانوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے کہ ہندو مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں اور وہ خود بھی مسلمانوں کے حقوق کو نہ صرف تسلیم کرتے ہیں بلکہ ان کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کے حقوق قطعی طور پر محفوظ ہیں۔ انہوں نے تواتر کے ساتھ اس قسم کے بیانات دیئے جن میں کہا گیا کہ کانگریس ہندوستان کے تمام فرقوں کی نمائندہ جماعت ہے اور تمام فرقوں کے حقوق کی محافظ ہے۔ گاندھی کے ایسے بیانات کی تائید و حمایت میں بعض اوقات کانگریس کے نیشنلسٹ مسلمان رکن مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ کے بیانات بھی ہندو اخبارات کی زینت بنتے رہے۔ ایسے تمام بیانات کے پس پردہ یہ سازش کارفرما ہوتی تھی کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے دوقومی نظریہ سے مسلمانوں کو برگشتہ کیا جائے۔ حمید نظامی نے ایسی تمام ساری سازشوں کو ناکام بنانے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ انہوں نے 31 دسمبر 1946ء کو جو زوردار اداریہ رقم کیا، اس کا عنوان تھا:

Marfat.com

''ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو'' اور لکھا:

''مسٹر موہن داس کرم چند گاندھی کی تقریر کی ساری قوتیں آج کل یہ ثابت کرنے پر صرف ہو رہی ہیں کہ وہ مسلمانوں کے دشمن نہیں بلکہ دوست ہیں اور مسلمانوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے کہ مسلمانوں کے حقوق و مفادات مسٹر گاندھی کے ہاتھوں میں محفوظ ہوں گے۔ وہ بنگال میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں اور ملک کی سیاسی زندگی کے اس نازک مرحلے پر ان کی اپنے ہیڈ کوارٹر اور دہلی سے سینکڑوں میل نواکھلی کے دور افتادہ دیہات میں رہائش کی سب سے بڑی وجہ بنگال کی لیگی وزارت کو بدنام کرنا اور بہار کی قیامت صغریٰ کے سیاہ کارناموں کی پردہ پوشی کرنا نہیں بلکہ مخصوص طریقے سے ہندو کانگریس کے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کرنا ہے.......... آج جب مسلمان بیک آواز یہ کہہ رہے ہیں کہ کانگریس ہماری نمائندہ جماعت نہیں اور وہ ملک کے صرف ایک فرقہ کی جماعت ہے اور مسلمانوں کی یہ آواز برطانیہ اور امریکہ میں بھی پہنچ چکی ہے اور ان ملکوں کے اخبارات اور سیاستدان بھی اب کانگریس کا ذکر کرتے ہیں تو اسے ہندو کانگریس کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ایسے وقت میں یہ صرف مسٹر گاندھی ہی کا حوصلہ ہے کہ وہ مسلمانوں اور ہندوستان سے باہر کی رائے عامہ کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کی کوشش کریں اور انہیں یقین دلانا چاہیں کہ کانگریس ایک غیر فرقہ وارانہ سیاسی جماعت ہے.......... یہ درست ہے کہ اس وقت بھی کانگریس میں مولوی ابوالکلام آزاد' مسٹر آصف علی خان' خان عبدالغفار خان ایسے مسلمان موجود ہیں مگر محض ان اصحاب کی کانگریس میں شرکت سے تو کانگریس مسلمانوں کی نمائندہ جماعت نہیں بن جاتی۔ دوسری جنگ عظیم میں ولیم جائس اور جان امریکی قماش کے بیسیوں انگریز اپنے ملک کے خلاف نازیوں سے تعاون کرتے رہے' کیا اس بنا پر نازی پارٹی یہ دعویٰ کر سکتی تھی کہ وہ انگریزوں کی نمائندہ ہے۔ یہی ہندوستان میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے چودہ ارکان میں سے گیارہ ارکان ہندوستانی تھے اور ان میں سر راما سوامی' مدن یار' ڈاکٹر امید کر اور سر عزیز الحق جیسے اصحاب بھی شامل تھے جن کی قابلیت سے ان کے مخالفوں کو بھی انکار

نہیں مگر اس کے باوجود کسی شخص کو کبھی یہ غلط فہمی نہیں رہی کہ وائسرائے کی یہ ایگزیکٹو کونسل ہندوستان کی قومی وزارت ہے''۔

حمید نظامی کی طرف سے اور صحافت کے میدان میں جرأت و مردانگی کے جلائے جانے والے ایسے ہی چراغوں سے جہاں مسلمان نوجوانوں کے سینے منور ہو رہے تھے تو دوسری طرف پنجاب کی یونینسٹ حکومت تحریک پاکستان کے اس عظیم قلمکار کو مختلف قسم کی ترغیبات' لالچ اور دھمکیوں سے مرعوب کرنے میں کوشاں تھی۔ مگر جب یہ شاہین زیر دام نہ آ سکا تو پھر ملک خضر حیات وزیر اعلیٰ پنجاب نے اپنے 32 ماہ کے دور اقتدار میں ''نوائے وقت'' کے سرکاری اشتہارات بند رکھے تاکہ حمید نظامی مالی مشکلات کا شکار ہو کر اخبار کی پالیسی نرم کر دیں۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ کوئی حکومتی حربہ حمید نظامی کو تحریک پاکستان اور حضرت قائد اعظمؒ کی حمایت سے باز رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

❖

Marfat.com

ہندوستان کے مختلف مقامات پر 1947ء کی پہلی سہ ماہی کے آغاز ہی میں ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے۔ اس کی پہل ہر جگہ پر ہندوؤں اور سکھوں کے باہمی گٹھ جوڑ سے ہوئی۔ خاص طور پر مشرقی پنجاب میں تو مسلمانوں کو سکھوں اور ہندوؤں کے جتھوں نے مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ خون کی اس ہولی میں سکھ قوم پوری طرح ہندوؤں کے ساتھ مل کر مسلمان عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کو خاک و خون میں تڑپاتی رہی۔ حمید نظامی کا ان فسادات پر دل خون ہو گیا۔ اگرچہ انہوں نے اپنے اخبار میں ایسے دلخراش واقعات کی خبریں نمایاں طور پر دیں مگر وہ ہمیشہ اس پالیسی پر کاربند رہے کہ فسادات کی آگ کو مزید نہ بھڑکنے دیا جائے۔ اس سلسلے میں انہوں نے دردمندانہ انداز میں اداریئے بھی رقم کئے۔

یہ دور برصغیر کے مسلمانوں کے لئے انتہائی پر آشوب تھا۔ اس دور کی تاریخ کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اس دور ستم پرور میں بڑے بڑے مسلمان صحافیوں اور بزعم خود دانشوروں نے حواس کھو دیئے تھے۔ انہیں کچھ نہیں سوجھتا تھا کہ وہ ملت اسلامیہ کی منزل کو کھوٹا کرنے کے لئے فرنگی سامراج، ہندو کانگریس اور دیگر اخبار جو چالیں چل رہے ہیں ان سے قوم کو کیسے بچایا جائے اور قائداعظمؒ کی زیر قیادت صبر آزما تحریک پاکستان کے راستے کے کانٹوں کو دور کرنے کے لئے کیا اقدامات ہونے چاہئیں؟ جہاں تک آل انڈیا مسلم لیگ کے رہنماؤں کا تعلق تھا وہ انگریز اور ہندو کانگریس کے مکر و فریب سے عبارت منصوبوں سے نمٹ رہے تھے۔ ایسے میں شمالی اور وسطی ہندوستان میں صرف ایک حمید نظامی کی ذات تھی جو غیر ملکی حکمرانوں اور کانگریس کی ان ریشہ دوانیوں کو ناکام بنانے کی جدوجہد میں مصروف تھی، جن

Marfat.com

ریشہ دوانیوں کا مقصد برصغیر کے مسلمانوں کی مسلمہ لیڈر شپ کے بارے میں ابہام پیدا کر کے ملت اسلامیان ہند میں خلفشار پیدا کرنا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت میں کام کرنے والے کسی اخبار کے ایڈیٹر کو ایسی باتوں کا خیال آیا نہ آ سکتا ہے۔ ان باریک باتوں اور مکر کی چالوں پر صرف حمید نظامی نظر رکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ جب اپریل 1947ء کے اوائل میں ہندوستان کے وائسرائے کی طرف سے مختلف سیاستدانوں سے ملاقاتوں کا ڈول ڈالا گیا تو حضرت قائداعظمؒ نے بھی دوسرے سیاستدانوں کی طرح وائسرائے سے ملاقاتیں کیں۔ انہی ملاقاتوں کے نتیجے میں اس حقیقت کا انکشاف ہو گیا کہ ہندوستان سے برطانوی حکومت کا چل چلاؤ ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ نہ صرف مسلمانوں بلکہ کانگریس کے ناخداؤں اور ان کے لے پالک نیشنلسٹ مسلمانوں کو بھی ایسے حالات نے یہ نشاندہی کرا دی کہ کرۂ ارض پر مسلمانوں کی ایسی مملکت کے قیام کی منزل قریب آ رہی ہے جس کا جغرافیہ مسلم قوم پہلے ہی ترتیب دے چکی ہے۔ چنانچہ ان عناصر نے ایک بار اپنی سی سازش کی کہ دو قومی نظریہ اور مسلم قیادت کے بارے میں ابہام پیدا کر کے قیام پاکستان کی راہ میں روڑے اٹکائے جائیں۔

ان مذموم مقاصد کی خاطر کچھ مخصوص عناصر کی طرف سے اس بات کو اچھالا گیا کہ برطانوی حکومت کے نمائندے غیر مسلم لیگی مسلمان سیاستدانوں اور نمائندوں سے بھی ملاقات کریں اور ان کے سیاسی موقف سے آگاہی حاصل کریں۔ درحقیقت اس خوفناک تجویز کا مقصد مسلم لیگ کی نمائندہ حیثیت ہی نہیں بلکہ حضرت قائداعظم کی مسلمہ حیثیت کو متنازعہ قرار دلانا تھا اور اس سازش کو بروئے کار لانے والے موہن داس کرم چند گاندھی تھے، جس نے اپریل 1947ء کے دوسرے عشرے میں ہندوستان کے برطانوی وائسرائے سے درخواست کی کہ وہ غیر مسلم لیگی مسلمان لیڈروں سے بھی ملاقات کریں۔ ان کی اس مکارانہ چال کا مقصد وائسرائے سے ان مسلمان سیاستدانوں کی ملاقاتوں کا اہتمام کرانا تھا جو کانگریس کے چندے پر پل رہے تھے اور تحریک پاکستان کے زبردست مخالف تھے۔ اس سے پہلے کہ ہندو اور سکھ پریس گاندھی کی اس تجویز اور وائسرائے کو کی گئی درخواست کو بھرپور انداز سے اچھالتا کہ حمید نظامی نے اس سازش کو اپنے 13 اپریل 1947ء کے اداریئے میں بے نقاب کر کے رکھ دیا۔ اس دور میں سکھوں اور ہندوؤں کی طرف سے پاکستان دشمنی میں کسی بھی مرتبہ و مقام کے مسلمان پر ہاتھ اٹھانا کوئی بڑی

Marfat.com

بات نہ تھی مگر حمید نیازی نے ایسے تمام خطرات سے بے نیاز ہو کر بڑی جرأت و بیبا کی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ''غیر لیگی لیڈر کون ہیں'' کے عنوان سے معرکتہ الآرا اداریہ تحریر کیا۔ انہوں نے لکھا:

''جو مسلمان لیڈر گاندھی کی سفارش پر بلایا جائے گا وہ مسلمانوں کا لیڈر ہو گا یا ہندو کانگریس کا خیمہ بردار! مسلمانوں کی نمائندگی کی حقدار جماعت وہی ہے جسے مسلمان یہ حق بخشیں، مسٹر گاندھی کی سرپرستی کسی شخص کو مسلمانوں کا لیڈر نہیں بنا سکتی۔ مسلم لیگ کے علاوہ مسلمانوں کی بری بھلی سیاسی جماعتیں مجلس احرار، مومن کانفرنس، شیعہ کانفرنس اور مسلم مجلس ہیں۔ مجلس احرار اعلان کر چکی ہے کہ ہندو مسلم مفاہمت کے سلسلے میں مسلمانوں کی طرف سے گفت وشنید کی مجاز مسلم لیگ ہی ہے۔ مجلس احرار کی آخری قرارداد کے بعد مسٹر گاندھی اس جماعت سے یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ وہ کانگریس کی ہمنوائی کرے گی۔ مومن کانفرنس کے صدر شیخ ظہیر الدین مسلم لیگ اور پاکستان کی تائید میں اعلان کر چکے ہیں۔ رہی شیعہ کانفرنس کی حیثیت جو اسی سے ظاہر ہے کہ اس کے صدر دو حلقوں سے مرکزی اسمبلی کی ممبری کے امیدوار تھے مگر دونوں جگہ ان کی ضمانت ضبط ہو گئی۔ شیعوں میں اس کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا یہ عالم ہے کہ بمبئی کی مقامی شیعہ جماعت نے ان کی لیگ دشمن سرگرمیوں کی وجہ سے انہیں صدارت سے علیحدہ کر دیا ہے۔ کیا مسٹر گاندھی' وائسرائے سے بے وقار جماعت کے وقار باختہ صدر کی سفارش کرنا چاہتے ہیں کہ اسے بھی مسلمانوں کا لیڈر بنا دیا جائے۔ مسلم مجلس کی حالت بھی ایسی ہی ہے۔ اس کا ایک امیدوار بھی گزشتہ انتخابات میں اسمبلی کا ممبر نہ بن سکا۔ انتخابات کے بعد تو ہم نے کبھی مسلم مجلس کا نام بھی نہیں سنا۔ مسٹر گاندھی غیر لیگی مسلمان لیڈروں کا شوشہ چھوڑ کر شرارت کرنا چاہتے ہیں مگر انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ زمانہ جاتا رہا جب انگریز اور ہندو اپنے گماشتوں اور جی حضوریوں کو مسلمانوں کی قیادت کا خلعت عطا فرمایا کرتے تھے۔ مسلمانوں کے لیڈر خود مسلمان ہی منتخب کرتے ہیں۔ انگریز اور کانگریس دونوں کو انہی لیڈروں سے بات چیت کرنی ہو گی''۔

Marfat.com

حمید نظامی کے اس اداریئے کے بعد کانگریس کی سازش اپنی موت آپ مرگئی۔ حمید نظامی کی بیباک صحافت کے چرچے دو چند ہو گئے جبکہ ہندوستان بھر سے مسلم لیگی شاخوں کی طرف سے اس سازش کے خلاف مذمتی بیانات کا سلسلہ تادیر جاری رہا۔

جب انہی دنوں لاہور میونسپل کارپوریشن کے میئر کے انتخابات کا مرحلہ آیا تو اس سے چند ہی یوم قبل نواب مظفر علی خان قزلباش کے بھائی نوابزادہ ذوالفقار علی خاں یونینسٹ پارٹی سے مسلم لیگ میں آدھمکے تھے۔ دراصل انہوں نے وقت کی رفتار اور آنے والے وقت کی پکار کو سن لیا تھا اور چڑھتے سورج کی پوجا کے مصداق انہوں نے یونینسٹ پارٹی چھوڑ دی تھی اور مفاد پرستوں کی سرشت کے عین مطابق نوابزادہ ذوالفقار علی خاں نے بلدیہ لاہور کی میئر شپ کے لئے لابنگ شروع کر دی تھی۔ ان کا پورا خاندان فرنگی سامراج کا پیدا کردہ جاگیردار تھا۔ محض جاگیردار ہونے کی مناسبت سے انہوں نے مسلم لیگ کے جاگیرداروں کو اپنا ہمنوا بنانا شروع کر دیا۔ اس سے چھ آٹھ ہفتے قبل جب وہ یونینسٹ پارٹی میں تھے تو انہوں نے لاہور کارپوریشن کی مسلم لیگ پارٹی کے خلاف ہندو ارکان بلدیہ کو ساتھ ملا کر الگ پارٹی بنا رکھی تھی اور تقریباً ایک سال وہ مسلم لیگی ارکان بلدیہ کو ایک دوسرے کے خلاف ورغلاتے اور بھڑکاتے رہے تھے۔ ان کے ایسے کردار کی بدولت کارپوریشن میں مسلم لیگ پارٹی کوئی قابل ذکر فلاحی کام نہ کر پائی۔ میئر کے انتخابات میں حصہ لینے کے لئے جو امیدوار میدان میں آئے تھے ان میں ڈاکٹر عبدالوحید اور بیرسٹر فرخ حسین بھی تھے جبکہ نوابزادہ ذوالفقار علی خان کے امیدوار ہونے اور جوڑ توڑ کی سیاست کرنے سے مسلم لیگی ارکان بالخصوص عوام میں شدید جذبات کا اظہار کیا جارہا تھا۔ ایسے حالات میں یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ حمید نظامی حق وانصاف کا پرچم بلند نہ کرتے۔ انہوں نے ''لاہور کارپوریشن کا میئر'' کے زیرعنوان 25 اپریل 1947ء کو ایسا اداریہ لکھا، جس نے لاہور کی اس وقت کی سیاست کا رخ بدل کر رکھ دیا۔ انہوں نے لکھا:

''یہ درست ہے کہ اب وہ (نوابزادہ ذوالفقار علی خاں) مسلم لیگ میں شامل ہو چکے ہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ اب کسی مسلمان کو ان کے خلاف بغض نہیں ہونا چاہئے۔ مگر مسلمانوں کی لیڈری فٹ بال نہیں ہے کہ ہر نووارد کو اس کا حق ہے کہ جب چاہے میدان میں لے آئے اور ٹھوکریں لگانا شروع کر دے۔ قیادت کی آرزو اسی شخص کو

Marfat.com

زیب دیتی ہے جس نے ایک معقول عرصہ قوم کی خدمت میں گزارا ہو اور اپنی خدمت سے اپنے آپ کو مخدوم بننے کا اہل ثابت کیا ہو...... نوابزادہ ذوالفقار کو مخدوم بننے کا شوق ہے تو پہلے قوم کے خادم بنیں اور اپنے ماضی کے دھبے دھوئیں' ان کے برادر مکرم نواب مظفر علی خان قزلباش نے گذشتہ تین سال میں بالعموم اور گزشتہ ایک سال میں بالخصوص پنجاب کے مسلمانوں پر جو احسانات کیے ہیں انہیں کوئی انتہائی بے غیرت مسلمان ہی فراموش کر سکتا ہے۔ وہ ابھی تک لیگ پارٹی میں نہ خود شامل ہوئے ہیں نہ اپنے زیر اثر ممبروں کو جن میں بعض ان کے دستر خوان ہی پر پل رہے ہیں' لیگ میں شرکت کا مشورہ دیا ہے......"

حمید نظامی کے اس اداریئے نے بلدیہ لاہور کے میئر کی مسند کے حصول کی خاطر پنجاب کے جاگیرداروں کی بچھائی گئی بساط الٹ گئی اور 27 مئی کو مسلم لیگ کے میاں امیر الدین بلدیہ لاہور کے میئر منتخب ہو گئے۔

Marfat.com

صوبہ سرحد کا ریفرنڈم

- ☆ دیوانہ وار مہم
- ☆ خون کی ہولی
- ☆ اخبار نہ چھپ سکا

Marfat.com

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ 23 مارچ 1940ء اقبال پارک لاہور میں قرارداد پاکستان کی منظوری سے جس منزل کا تعین کیا گیا تھا حضرت قائداعظمؒ کی ولولہ انگیز قیادت میں برصغیر کے مسلمانوں کا قافلہ اس منزل سے ہمکنار ہونے والا تھا کہ سکھوں اور ہندوؤں نے ملت اسلامیہ اور اس کی منزل کے درمیان خاک اور خون کے دریا حائل کر دیئے۔ یہ فرزندان توحید کا خون تھا مگر قدرت اس منزل تک مسلمانوں کے پہنچنے کے لئے فضا کو سازگار بنانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ چنانچہ 4 جون 1947ء کو ہندوستان کی آزادی سے متعلق برطانوی سکیم کا اعلان کر دیا گیا۔ حضرت قائداعظمؒ کی زیر صدارت مسلم لیگ کی مرکزی کونسل کا اجلاس 9/10 جون کو دہلی میں منعقد ہوا جس میں 4 جون کے برطانوی اعلان کی منظوری دے دی گئی۔ حمید نظامی نے آزادی کی طرف اس قدم کی منظوری کی خبروں کو نمایاں طور پر شائع کیا مگر حمید نظامی کے لئے سب سے بڑا مسئلہ صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کا تھا جو جولائی کے پہلے ہفتے متوقع تھا۔ صوبہ سرحد میں سرخ پوش رہنما خان عبدالغفار خان اور ان کے ساتھی بڑی شدومد کے ساتھ وہاں کے عوام میں پاکستان کی مخالفت کی مہم چلا رہے تھے اور اس وقت کوئی ایسا موثر اخبار نہیں تھا جو غیور پٹھانوں کے اذہان پر پاکستان کی ضرورت و اہمیت کو جاگزیں کرنے میں موثر کردار ادا کر سکتا۔ صرف ایک حمید نظامی ہی تھے جنہوں نے اپنے اخبار ''نوائے وقت'' میں صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے لئے پاکستان کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کرنے کی جی جان کے ساتھ مہم چلائی۔ انہوں نے اس مقصد کے لئے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی قیادت سے رابطہ قائم کر کے ان سے مل کر طالب علموں کے کئی ایک گروپ تیار کئے جنہیں ریفرنڈم کے انعقاد سے قبل صوبہ سرحد کے دیہی

Marfat.com

اور شہری علاقوں میں اس مقصد کے لئے بھیجا گیا کہ وہ وہاں کے پٹھان بھائیوں میں جا کر پاکستان کے قیام اور اس میں صوبہ سرحد کی شمولیت کی اہمیت وضرورت واضح کریں اور ایسے وفود کی کارکردگی کی رپورٹیں حمید نظامی نے ''نوائے وقت'' میں روزانہ شائع کرنے کا اہتمام کیا۔ اس کے علاوہ حمید نظامی نے صوبہ سرحد کی رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں ہموار کرنے کے لئے یکے بعد دیگرے کئی اداریئے اور شذرات سپرد قلم کئے۔ مگر اسی پر ہی بس نہ کیا بلکہ ریفرنڈم کے انعقاد سے کئی روز قبل اپنے اخبار کے صفحہ اول پر مسلسل نمایاں طور پر ایسی عبارات نمایاں طور پر شائع کرتے رہے جن سے صوبہ سرحد کے لوگوں کے دلوں میں حضرت قائداعظمؒ کی قیادت کے بے لوث اور مخلص ہونے کا نقش جمانے میں مدد ملتی ہو۔ اور اس راہ میں کسی خطرے کی پرواہ نہ کی۔

ایسی سبھی عبارتیں حمید نظامی کے ذہن رسا کی تخلیق تھیں اور یہ مسلسل اخبار کی زینت بنتی رہیں کہ:

''۔۔۔صوبہ سرحد کے عوام غافل نہ رہیں''۔

''حضرت قائداعظم صوبہ سرحد کے عوام کو پاکستان کی طرف بلا رہے ہیں اور خان عبدالغفار خان ہندوراج کے ماتحت ہندوستان کی طرف......''

۔۔۔پٹھان اس فریب سے خبردار رہیں۔

مسٹر موہن داس کرم چند گاندھی کا سیاسی چیلا اجمیر کے لئے نہیں واردھا کے لئے ووٹ مانگتا ہے۔

حمید نظامی نے صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے موقع پر میڈیا کے محاذ پر مسلم لیگ کی حمایت میں جو جنگ لڑی وہ تاریخی نوعیت کی ہونے کے علاوہ میدان صحافت میں حق وصداقت کا ساتھ دینے کی دلیرانہ مثال قرار دی جاسکتی ہے۔ حمید نظامی کا مطمح نظر صوبہ سرحد کے عوام کے ذہنوں میں اس یقین کی شمع جلانا تھا کہ ریفرنڈم میں غیور پٹھان پاکستان کے حق میں فیصلہ دیں۔ اسی لئے حمید نظامی نے 29 جون 1947ء کو حضرت قائداعظم کا بیان اس شہ سرخی کے ساتھ شائع کیا۔

''صوبہ سرحد میں خان برادران کا سیاسی فراڈ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے گا''۔

آخر کار وہ دن بھی آپہنچا جس دن کا سورج یہ پیغام لے کر طلوع ہوا کہ صوبہ سرحد کے عوام

Marfat.com

نے ریفرنڈم میں پاکستان کے حق میں فیصلہ دے دیا تو 10 جولائی کے ''نوائے وقت'' میں حمید نظامی نے اس نوید کو مسلم عوام کے سامنے اس شہ سرخی کے ساتھ پیش کیا:

''پاکستان کے حق میں 75% پٹھانوں نے صوبہ سرحد میں ووٹ ڈالے''

صوبہ سرحد' سلہٹ اور بلوچستان کے عوام کی طرف سے پاکستان میں شمولیت کے فیصلے کے بعد اگرچہ پاکستان کا قیام یقینی ہو گیا تھا مگر ہندوستان کے مختلف حصوں بالخصوص پنجاب میں مسلم لیگ اور مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سینکڑوں کارکن جیلوں میں نظر بند تھے۔ انہیں برطانوی حکومت نے مختلف مواقع پر مسلم لیگ کی طرف سے نکالے گئے جلوسوں اور جلسوں میں گرفتار کیا تھا۔ حمید نظامی کو اپنے تمام نظر بندوں کے بارے میں تشویش تھی۔ وہ واحد مسلمان ایڈیٹر تھے جنہوں نے اس سلسلے میں مسلم لیگ کی ہائی کمان سے رابطہ قائم کر کے نظر بندوں کی رہائی کے لئے موثر اقدامات کرنے کی تجویز دی اور پھر مسلم لیگ کے رہنماؤں نے اس سلسلے میں اپنی اپنی مقامی انتظامیہ اور صوبائی حکومت کے اعلیٰ حکام سے مذاکرات کئے۔ اس موقع پر حمید نظامی نے 17 جولائی کو ''نوائے وقت'' میں ایک شذرہ بھی سپرد قلم کیا۔

یہ دن برصغیر کے مسلمانوں پر قیامت کے دن تھے۔ ہر نئی صبح کا سورج مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کے خون سے نہایا ہوا طلوع ہو رہا تھا۔ جالندھر' امرتسر' لدھیانہ' پٹھانکوٹ' گورداسپور' بٹالہ' ہریانہ اور اس کے اردگرد کے دیہات سے مسلمانوں کے پاکستان کی طرف آنے والے قافلوں کو سکھوں' ہندوؤں پر مشتمل جتھے گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیتے' شیر خوار بچوں کو نیزوں کی انی پر اچھالا جاتا' ہزاروں عفت مآب بیٹیاں اغوا ہوتی رہیں' مختلف سمتوں سے لاہور آنے والی ریل گاڑیاں مسلمان نوجوانوں' بچوں' بوڑھوں اور معمر خواتین کی لاشوں سے بھری ہوئی ہوتیں۔ لٹے پٹے مہاجرین مردوں' عورتوں' بچوں اور بہو بیٹیوں کی روح فرسا داستانوں سے لاہور کی فضا آہوں اور سسکیوں سے سلگ رہی تھی۔ لاہور کے مسلمان ایسی لرزہ خیز داستانیں سن کر انگاروں پر لوٹ رہے تھے جس کے نتیجے میں لاہور کا بھی ہندو مسلم فسادات کی لپیٹ میں آ جانا یقینی امر تھا۔ ایسے پرآشوب دور میں لوگوں نے گھروں سے نکلنا بند کر دیا۔ دفاتر میں حاضری نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔

متعدد بہی خواہوں نے حمید نظامی کو مشورہ دیا کہ وہ بیڈن روڈ سے اپنا دفتر کسی دوسری محفوظ

Marfat.com

جگہ پر منتقل کر لیں' کیونکہ اس وقت بیڈن روڈ پر نوے فیصد سے زائد ہندوؤں کی آبادی تھی۔ مگر حمید نظامی نہ مانے اور کہا زندگی موت اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ ہندو مسلم فسادات کو ہوا دینے کے ہرگز حق میں نہیں تھے۔ ان کا موقف تھا کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہندوؤں اور دوسری قوموں کے شہریوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ اگر سکھ ہندوؤں نے پرامن ہنستے بستے مسلمانوں پر بہیمانہ انداز کے ظلم و ستم کی انتہا کر دی ہے یا کر رہے ہیں تو اس آگ کو دوسری جگہ پر بھڑکانا دانش مندی نہیں۔ چنانچہ حمید نظامی جان کو خطرہ میں ڈال کر دفتر آئے اور اخبار مرتب کرتے رہے مگر اگست کے دوسرے ہفتے لاہور کو ہندو مسلم فسادات نے پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ چنانچہ 12 اگست کو ''نوائے وقت'' کے عملہ ادارت کے جو دو ارکان دفتر پہنچ سکے ان میں حمید نظامی اور چیف نیوز ایڈیٹر ظہور عالم شہید تھے جبکہ تین خوش نویس بھی دفتر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ انہوں نے اخبار کے صرف دو صفحات ہی تیار کئے تھے کہ دفتر کے اردگرد ہندوؤں اور سکھوں کے جتھے سڑک اور مکانوں کی چھتوں پر اشتعال انگیز نعرے لگا رہے تھے اور یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ ''نوائے وقت'' کے دفتر پر باقاعدہ حملہ کر دیں گے۔ ایسے حالات میں دو صفحات پر مشتمل ''نوائے وقت'' کی کاپی بھی اشاعت کے لئے پریس بھیجنا ناممکن ہو گیا اور پھر 12 / 13 اگست کی رات حمید نظامی سمیت سید ظہور عالم شہید اور دیگر تین خوش نویس حضرات کو پولیس نے نکال کر محفوظ مقامات اور گھروں تک پہنچایا۔ اس کے بعد مسلسل پانچ روز تک لاہور خوفناک ہندو مسلم فسادات کی زد میں رہا جس کے باعث ''نوائے وقت'' کے کسی بھی رکن ادارہ کا دفتر تک پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ فسادات نے تمام راستے مسدود کر رکھے تھے۔ اس بنا پر حمید نظامی 13 اگست سے لے کر 17 اگست تک ''نوائے وقت'' شائع نہ کر سکے۔

Marfat.com

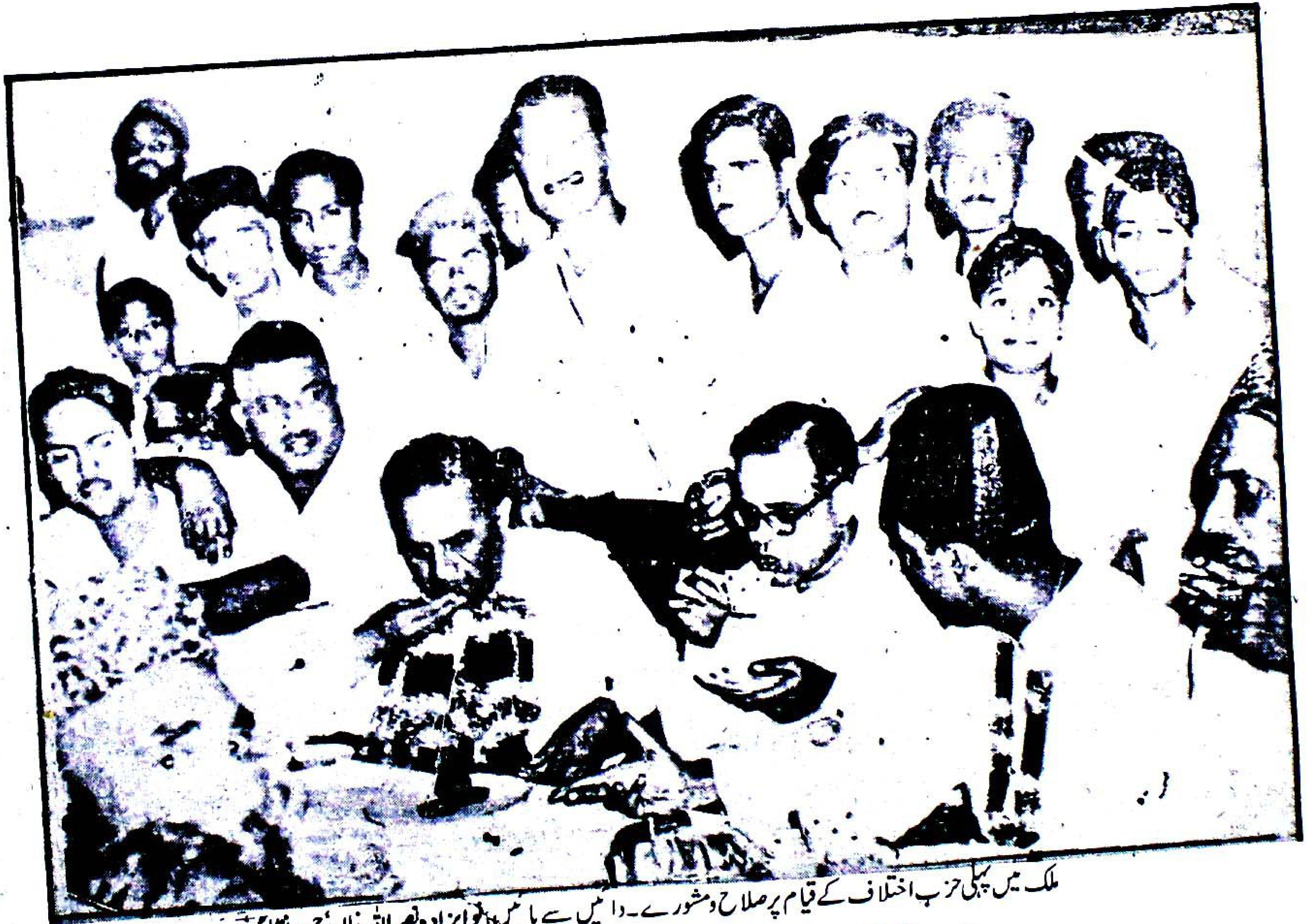

ملک میں پہلی حزب اختلاف کے قیام پر صلاح و مشورے ۔ دائیں سے بائیں: نوابزادہ نصر اللہ خاں، حمید نظامی
سابق وزیر اعظم حسین شہید سہروردی، آغا شورش کاشمیری اور خواجہ صدیق الحسن (گوجرانوالہ)

Marfat.com

پاکستان کا قیام

☆ حضرت قائداعظمؒ سے آخری ملاقات

☆ یک پارٹی سسٹم کے خلاف نعرہ مستانہ

☆ برطانوی سامراج کی نشانیاں

Marfat.com

14 اگست کو پاکستان معرض وجود میں آ گیا تو حمید نظامی نے محسوس کیا کہ حصول آزادی کے ساتھ ہی جذباتیت کا دور ختم ہو گیا ہے۔ ہنگاموں اور نعروں کی سیاست کے مرحلے گزر گئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی قومی صحافت کے تقاضے بھی بدل گئے ہیں۔ اپنی اس سوچ کا ثبوت انہوں نے ''نوائے وقت'' کے صفحات اور مواد کی ترتیب و تدوین سے فراہم کیا۔ نو آموز مملکت کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے حمید نظامی ملک و قوم کی تعمیر، مہاجرین کی احسن طریقے سے آباد کاری کی تجاویز اور قومی زندگی کے مختلف شعبوں کی اصلاح سے عبارت مواد کو اخبار کی زینت بنانے لگے۔

حمید نظامی نے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے بانی رہنما ہونے کے حوالے سے غیر منقسم برصغیر میں بانی پاکستان حضرت قائداعظمؒ کو اسلامیان ہند بالخصوص پنجاب اور سرحد کے عوام کے دلوں کی دھڑکن بنانے کے لئے جو ناقابل فراموش کردار ادا کیا تھا اور اس مقصد کے لئے تعلیم یافتہ مسلمان نوجوانوں کی جو کھیپ تیار کر کے آل انڈیا مسلم لیگ کے سپرد کی تھی ان کے اسی کارنامے نے تحریک پاکستان کے قائدین خاص طور پر حضرت قائداعظمؒ کے دل میں ان کی عزت و تکریم کا جذبہ پیدا کر دیا تھا مگر ''نوائے وقت'' کے ایڈیٹر کی حیثیت سے حمید نظامی نے مضبوط اور منظم پریس سمیت جس طرح یونینسٹ اور نام نہاد نیشنلسٹ اخبارات کا تن تنہا مقابلہ کیا تھا مسلم صحافت اکیسویں صدی تک تو اس جیسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حمید نظامی کی ایسی لازوال خدمات کا اعتراف اس عظیم ہستی نے کیا جسے اسلامیان ہند کے دلوں کی دھڑکن ہونے کا اعزاز حاصل رہا۔ اسی حوالے سے یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ جن دنوں

Marfat.com

حمید نظامی اپنے قلم کی تمام توانائیاں تحریک پاکستان کو تقویت دینے میں صرف کر رہے تھے تو وہ اس محاذ پر بیک وقت ایڈیٹوریل رائٹر' فکاہی کالم نگار' سیاسی رپورٹر اور سیاسی مبصر و تجزیہ نگار کا کردار ادا کرتے تھے۔ یہ تمام محاذ انہوں نے تن تنہا سنبھال رکھے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد میدان صحافت میں قدم رکھنے والے صحافیوں کو ان حالات و مشکلات کا اندازہ نہیں ہو سکتا جن سے حمید نظامی کو واسطہ رہا کیونکہ بعد کی صحافت میں تو بدلتے ہوئے تقاضوں کی روشنی میں اخبارات میں سیاسی رپورٹنگ' اداریہ نویسی' فکاہی کالم نگاری اور دیگر سیاسی مضامین کے لئے الگ الگ افراد (اخبار نویس) رکھے گئے۔ ایسے افراد کو بھی اخبارات کی ادارت کی مسند پر بیٹھنے کا موقع ملا جو حمید نظامی ایسی صحافیانہ خوبیوں سے مبرا تھے یا اداریہ نویس نہیں تھے۔

حمید نظامی کی ملک و ملت کے لئے ایسی ہی مجاہدانہ خدمات کا صلہ یہ تھا کہ 1947ء کے آخر میں حضرت قائداعظمؒ لاہور تشریف لائے۔ اس وقت وہ گورنر جنرل پاکستان تھے تو نواب ممدوٹ نے ان کے اعزاز میں فلیٹیز ہوٹل میں استقبالیہ دعوت کا اہتمام کیا۔ مجید نظامی بھی اس دعوت میں شریک تھے۔ حضرت قائداعظم کے سیکرٹری کے ایچ خورشید نے حمید نظامی کو دیکھا تو لپک کر بغل گیر ہوئے اور ایک ہی میز پر حمید نظامی کے ساتھ بیٹھ گئے۔ بانیء پاکستان مہمانوں سے ملنے ایک ایک میز سے ہوتے ہوئے ان کی میز کے قریب پہنچے تو حمید نظامی کو دیکھتے ہی نہایت شفقت سے ہاتھ ملایا اور مسکرا کر حمید نظامی کے چہرے پر نظریں گاڑھتے ہوئے بانیء پاکستان فرمانے لگے: ''نظامی کیا حال ہے' نوائے وقت کا کیا حال ہے؟'' اور حمید نظامی کا جواب سن کر فرمانے لگے ''My boy, you have a great future''

یہ اپنے عظیم قائد سے مسلم صحافت میں منفرد اسلوب صحافت کے حامل حمید نظامی کی آخری ملاقات تھی۔ اسی عظیم قائد کے ارشادات کی روشنی میں تو حمید نظامی نے ''نوائے وقت'' کو روزنامہ کیا تھا اور ''نوائے وقت'' ہی کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ حمید نظامی کی درخواست پر قائد اعظم نے ''نوائے وقت'' کو تین مرتبہ اپنے خصوصی پیغام سے نوازا تھا۔

11 ستمبر 1948ء کو بانیء پاکستان حضرت قائداعظمؒ رحلت فرما گئے۔ اس سے اگلے روز کے اداریہ کا عنوان تھا ''...... قائداعظم'' اور اس کا آغاز حمید نظامی نے حکیم الامت علامہ اقبالؒ

Marfat.com

کے اس شعر سے کیا تھا۔

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالہ حیات
تانہ بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

حمید نظامی نے ایک محب وطن اخبار نویس کی حیثیت سے فکر و عمل کے توازن کے اصول سے کبھی انحراف نہ کیا۔ اگر ایک طرف عوام کے حقوق اور شہری آزادیوں کی خاطر ایوان اقتدار کے مکینوں کے لتے لیتے رہے تو دوسری طرف انہوں نے تعمیر وطن اور معاشرے کو آلائشوں سے پاک رکھنے کے لئے عوام کو بھی اپنے فرائض سے آگاہ کرنے میں کبھی کوتاہی نہ کی۔ اور یہ کام وہ پوری شد و مد سے انجام دیتے رہے۔ اس کی مثال ان کی وہ تحریر ہے جو انہوں نے 18 اکتوبر 1948ء کو ''نوائے وقت'' میں جلی حروف میں شائع کی۔ درحقیقت یہ وہ وقت تھا جب بانیء پاکستان حضرت قائداعظمؒ کو رحلت فرمائے پورا ایک ماہ بھی نہیں ہوا تھا۔ تحریر تھی:

''آزمائش کے دور کو سچے مسلمان کی طرح گزارو...... پاکستان میں آپ کے لئے امن اور حفاظت کی جگہ ہے۔ اسے قائم رکھنا، مضبوط اور خوشحال بنانا آپ کی زندگی کا اولین مقصد ہونا چاہئے۔ سوچئے اگر یہ گھر اجڑ گیا تو آپ کا کیا حشر ہوگا۔ ہمیں اس پاک ملک کو اس قابل بنانا ہے کہ مسلمانوں پر کئے ہوئے مظالم کا صحیح علاج ہو سکے۔ ہمیں اس کے لئے تیاری کرنا ہے۔ رونے دھونے میں وقت ضائع کرنا، اپنے کارکنوں یا ایک دوسرے پر نکتہ چینی، یاس اور خوف کو دل میں جگہ دینا خودکشی ہے۔ خدا کے لئے اس سے بچئے اور دوسروں کو روکئے، اپنے خدا، اپنی ہمت اور عمل پر بھروسہ کیجئے، ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔ اس زمانے میں قوموں کی تیاریاں کھیتوں، صنعتی اداروں، دفتروں، تعلیم گاہوں میں ہوتی ہیں۔ یہ آپ کے جہاد کی پہلی منزلیں ہیں۔ آپ کے ملک کے نظم و نسق میں خلل نہ آنے پائے تاکہ آپ مجاہدوں کی طرح اپنی تیاریوں کی پہلی منزل کو طے کر سکیں''۔

Marfat.com

حمید نظامی نے نوزائیدہ مملکت پاکستان میں عوامی، شہری، صحافتی اور سیاسی حقوق کی بقاء اور احیاء کی جنگ میں جس ثابت قدمی کا ثبوت دیا اس کی مثال بہت کم ملے گی۔ 1948ء کے آخر میں پنجاب میں وزارتوں کے قیام کے سلسلے میں رسہ کشی کا آغاز ہوا تو سیاستدانوں نے ایک دوسرے پر کنبہ پروری، رشوت ستانی اور بدعنوانی کے الزامات عائد کئے۔ حمید نظامی نے اس صورت حال کا نوٹس لیا اور ملک میں پہلی دفعہ بدعنوانیوں کی تحقیقات کے لئے ٹریبونل قائم کرنے کا مطالبہ سنا گیا۔ حمید نظامی نے 6 جنوری 1949ء کو اپنے اداریہ میں لکھا:

''ہم مرکزی حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ پنجاب کے موجودہ و سابق وزراء کے خلاف رشوت ستانی، کنبہ پروری اور بدعنوانی کے الزامات کی تحقیقات کے لئے ایک ٹریبونل قائم کرے۔ یہ ٹریبونل ایک طرف خان افتخار حسین، سردار عبدالحمید دستی، میاں نوراللہ، میجر مبارک علی اور چودھری فضل الٰہی اور دوسری طرف میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ، سردار شوکت حیات اور شیخ کرامت علی کے خلاف الزامات کی تحقیقات کرے''۔

بدقسمتی سے پنجاب اس وقت بڑے بڑے جاگیرداروں اور زمینداروں کی ریشہ دوانیوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اس لئے اس صوبے میں مستحکم حکومت نہ بن سکی جس کے نتیجے میں 1946ء کے عام انتخابات میں معرض وجود میں آئی اسمبلی توڑ دی گئی اور صوبے میں گورنر راج نافذ کر دیا گیا۔

اس صورت حال پر حمید نظامی خاموش نہ رہ سکے۔ حمید نظامی تو پہلے ہی پاکستان کے انگریز افسروں کے خلاف تھے۔ وہ اس حقیقت کا [illegible] انداز میں اظہار کیا کرتے تھے۔

Marfat.com

انگریزوں نے تقسیم ہندوستان کے وقت مسلمانوں کو دانستہ کمزور کیا ہی تھا' قیام پاکستان کے بعد بھی پاکستان رہ جانے والے انگریز مسلمانوں کے مفاد کے خلاف سرگرم عمل تھے۔ اسی لئے حمید نظامی نے قیام پاکستان کے بعد اس مہم کی نیو اٹھائی تھی کہ پاکستان سے انگریز افسروں کو رخصت کر دینا چاہئے۔ حمید نظامی کا اس سلسلے میں پہلا ہدف کمانڈر انچیف میروی' صوبہ سرحد کے گورنر سر جارج کنگم اور پنجاب کے گورنر سر فرانسس موڈی تھے' خود مرکزی حکومت بوجوہ ایسا نہیں چاہ رہی تھی مگر حمید نظامی قومی وملکی مفادات کی بہتری میں جو سوچتے تھے وہی زبان وقلم پر لے آتے تھے۔ حمید نظامی کے قلم نے اس مہم کو اس طرح اٹھایا کہ مرکزی حکومت کے بھی پسینے چھوٹ گئے۔

حمید نظامی دل سے چاہتے تھے کہ بابائے ملت حضرت قائداعظمؒ کی جماعت پاکستان مسلم لیگ صحیح معنوں میں اپنے عظیم قائد کی صحیح فکری اور جمہوری جانشین ثابت ہو۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ قیام پاکستان کے صرف تین برس بعد ہی اس جماعت کے مختلف عہدوں پر قابض لوگوں کی باہمی آویزش اور اقتدار کی چھینا جھپٹی کی روش کے نتیجے میں پاکستان کی خالق جماعت عوام کی نظروں میں گرتی چلی جا رہی ہے اور اس کے بعض لیڈر اس زعم میں مبتلا ہو چکے ہیں کہ ان کے مقابلے میں کوئی منظم سیاسی جماعت نہیں ہے اس لئے وہ جس طرح چاہیں سیاست کریں۔ تو حمید نظامی نے مسلم لیگ کی اس روش کا بروقت نوٹس لیا اور یہ ایسا نوٹس تھا جو اس دور میں شاید ہی کوئی دوسرا اخبار نویس لینے کی جرأت اور ہمت کر سکتا تھا۔ اس وقت بڑے بڑوں کی سوچ سے بھی یہ بات کوسوں دور ہو گی کہ کوئی شخص انتہائی بے باکی اور جرأت و دلیری کے ساتھ یک جماعتی نظام کی آمریت کو روکنے کے لئے ایک اور جمہوریت پسند سیاسی جماعت کے قیام کی سوچ دے گا۔

چنانچہ حمید نظامی نے 28 جنوری 1949ء کو ''مسلم لیگ کا وقار بحال کیجئے'' کے عنوان سے لکھے گئے اداریہ میں یہ سب کچھ کہہ کہ اقتدار کے ایوانوں میں زلزلہ سا پیدا کر دیا۔ حمید نظامی نے صاف' سیدھی بات آسان الفاظ میں کہنے کی طرح ڈالی چنانچہ لکھتے ہیں:

----''ایک پارٹی سسٹم میں جمہوریت کی نشوونما ناممکن ہے اور ان خرابیوں کا پیدا ہونا ناگزیر ہے جو پنجاب میں پیدا ہوئیں۔ بہترین صورت یہ ہے کہ مسلم لیگ کو زندہ اور موثر رکھا جائے مگر اس کے مقابلے پر کسی دوسری پارٹی کی تشکیل کو بھی کفر اور غداری نہ قرار دیا جائے۔ اگر کوئی پارٹی ملک وملت کی وفادار ہے تو اسے پورا حق

Marfat.com

حاصل ہے کہ لیگ کے مقابلے پر اپنا پروگرام عوام کے سامنے رکھے بلکہ خود لیگ کے ارباب اختیار کو ایک ایسی پارٹی کی تشکیل میں مدد دینی چاہیے۔ صالح بنیادوں پر ایک پارٹی کا وجود مسلم لیگ کو ان خرابیوں سے پاک رکھے گا جو خرابیاں پنجاب اسمبلی کے خاتمے پر منتج ہوئیں۔ ہماری طرح جن لوگوں کو مسلم لیگ سے وابستگی اور محبت ہے وہ قدرتی طور پر مسلم لیگ کو زندہ و مضبوط دیکھنا پسند کریں گے لیکن صوبہ مسلم لیگ اب قومی ادارہ نہیں رہی، ارباب ہوس اور بندگان اقتدار کا جتھہ بن گئی ہے''۔

یہ وہ وقت تھا جب پنجاب گورنر راج میں سانس لے رہا تھا۔ بڑے بڑے وفادری سیاستدان فقار زیر پر تھے۔ سر فرانسس موڈی گورنر پنجاب تھے جو برطانوی دور ہی سے گورنر چلے آ رہے تھے۔ پنجاب کے مسلم لیگی سیاستدانوں میں گروپ بندی کی سازش کو کامیاب کرنے میں گورنر موڈی کا نمایاں کردار تھا۔ وہ پنجاب کی گورنری پر برسہابرس تک چمٹے رہنے کا منصوبہ بنائے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ گورنر کی پالیسیاں قومی مفادات سے متصادم تھیں۔ حمید نظامی نے ایک ملاقات میں اس صورت حال سے وزیراعظم نوابزادہ لیاقت علی خاں کو آگاہ کرتے ہوئے فرانسس موڈی کو رخصت کر دینے کی رائے دی مگر نوابزادہ لیاقت علی خاں نے یہ جواز پیش کیا کہ ''سر فرانسس موڈی کو حضرت قائداعظمؒ نے چنا تھا اور وہ اچھا آدمی ہے'' حمید نظامی نے بعض واقعات کا حوالہ دے کر وزیراعظم کو سمجھانے کی کوشش کی کہ حضرت قائداعظمؒ کی رحلت کے بعد اس شخص (گورنر پنجاب) نے ملک وملت کے مفاد کے برعکس پالیسیوں کو نافذ کیا اس بنا پر اسے گورنری کے عہدے سے ہٹا دینا چاہیے مگر لیاقت علی خان نہ مانے۔ اس کے بعد ادھر فرانس موڈی نے پنجاب کے پرانے یونینسٹوں اور انگریز کے کاسہ لیس زمینداروں کی سرپرستی کی رفتار تیز کر دی اور ادھر حمید نظامی نے جرأت و بیباکی کے ساتھ گورنر کو ہدف تنقید بنانا شروع کر دیا۔ حمید نظامی نے اپنے ایک دوست انگریزی اخبار ڈان کراچی کے ایڈیٹر الطاف حسین کو گورنر موڈی کے خلاف دستاویزی ثبوت دکھائے جس کے بعد ڈان نے ایک زبردست مضمون شائع کیا جس میں پنجاب ریڈ کراس کی سربراہ مس میکوین اور گورنر فرانسس موڈی کے تعلقات کے حوالے سے سنگین الزامات کی بھرمار کی گئی تھی۔ دوسرے دن ڈان کے اس مضمون کا اردو ترجمہ حمید نظامی نے ''نوائے وقت'' میں شائع کیا جس کے بعد گورنر موڈی کی جھوٹی موٹی پاکدامنی کی

Marfat.com

دھجیاں اڑ گئیں۔ موڈی نے خود ہی استعفیٰ دے دیا اور ان کی جگہ سردار عبدالرب نشتر کی گورنر پنجاب بنا دیا گیا۔ سردار نشتر نے گورنر پنجاب کا عہدہ سنبھالنے کے دوسرے ہی روز حمید نظامی کو ملاقات کے لئے گورنر ہاؤس بلایا۔

❖

Marfat.com

جمہوری اقدار کی پاسبانی

☆ حزب اختلاف کا معمار

☆ آزادی صحافت کا تنہا سپاہی

☆ حکومت سے کھلی جنگ

Marfat.com

قیام پاکستان کے بعد دسمبر 1949ء کی ایک شام نواب ممدوٹ کی فیروز پور روڈ پر واقع وسیع وعریض کوٹھی میں ایسے مسلم لیگیوں کا بہت بڑا اجتماع ہوا جو نوابزادہ لیاقت علی خاں اور میاں ممتاز دولتانہ کی بعض سیاسی پالیسیوں سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔ اس اجلاس ہی میں یہ سوچ ابھری کہ متذکرہ بالا دو مقتدر مسلم لیگیوں کی سیاست سے نالاں مسلم لیگیوں کو مسلم لیگ سے بدستور وابستہ رہنا چاہئے یا کوئی نئی سیاسی جماعت بنا لینی چاہئے۔ کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ مسلم لیگی کارکنوں نے تحریک پاکستان کی صبر آزما جدوجہد میں قربانیاں دی ہیں' اس جماعت سے الگ ہو کر نئی جماعت بنانے کو ان کا دل نہیں مانتا' اسی جماعت سے وابستہ رہ کر اصلاح احوال کرنی چاہئے۔

اس اجتماع میں منتظمین نے حمید نظامی کو بطور خاص مدعو کیا تھا۔ وہ انتہائی سنجیدگی اور غور سے اجتماع کی کارروائی سنتے رہے۔ بلاشبہ حمید نظامی طالب علم رہنما ہوتے ہوئے بلا کے شعلہ بیان مقرر تھے مگر جب سے انہوں نے خارزار صحافت میں قدم رکھا تھا انہوں نے خطابت کو خیر باد کہہ دیا تھا' نہ ہی انہیں تقریر کرنے کا شوق رہا تھا۔ مگر تحریک پاکستان میں حصہ لینے والے ان کے ساتھی اور تحریک میں حضرت قائداعظمؒ کے پرچم تلے سرگرم عمل رہنے والے مسلم لیگی رہنما ان کی آتش نوائی سے بخوبی واقف تھے۔ حمید نظامی پہلے ہی ملک میں حضرت قائداعظمؒ کے سیاسی تصورات کی روشنی میں صحت مند جمہوری روایات کے قیام کے دل سے خواہاں تھے اور اس حقیقت کو بھی جان چکے تھے کہ حضرت قائداعظمؒ کی رحلت کے تھوڑی ہی دیر بعد مسلم لیگی قیادت ہوس اقتدار میں مبتلا ہو کر قائد کی تعلیمات کو فراموش کر چکی ہے۔ اور اس کی سمت سیدھی رکھنے اور

Marfat.com

جمہوری روایات کو برقرار رکھنے کے لئے ملک میں محب وطن حزب اختلاف کا وجود ضروری ہے چنانچہ اس اجتماع میں جب بعض مخصوص عناصر نے کچھ مسلم لیگی قائدین کی مفاد پرستانہ پالیسیوں کا زور و شور سے دفاع کرنا شروع کر دیا تو حمید نظامی کھڑے ہوئے اور انہوں نے کچھ بولنے کی اجازت چاہی۔ لوگ ہمہ تن گوش ہو گئے اور حمید نظامی نے انتہائی مدبرانہ انداز میں اظہار خیال کر کے کارکنوں کی سوچ کے زاویئے بدل دیئے۔ انہوں نے کہا:

---- "پاکستان قائم ہو چکا ہے' اس سلسلے میں آپ کو جن مراحل سے گزرنا پڑا جو مشکلات پیش آئیں ان کا احساس فی الواقع تھکا دینے والا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آپ اپنے تمام فرائض سے عہدہ برآ ہو چکے ہیں اور قیام پاکستان کے بعد عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔ میں دوٹوک الفاظ میں آپ پر واضح کرتا ہوں کہ آپ کا اصل کام تو اب شروع ہوا ہے۔ اب پاکستان کی تعمیر اور اس کے استحکام کا معاملہ درپیش ہے۔ اس میں حصہ نہ لینا سب کئے کرائے پر پانی پھیرنے کے مترادف ہے۔ جمہوری نظام حکومت میں حزب اختلاف کا وجود ناگزیر ہوتا ہے۔ اس کے بغیر جمہوریت کی گاڑی کا چلنا ممکن نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان میں ایک صحت مند اور محب وطن حزب اختلاف معرض وجود میں لائی جائے۔ اور یہ ضرورت بہ احسن طریقے سے اسی طرح پوری ہو سکتی ہے کہ جن قابل قدر حضرات نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا اور نظریہ پاکستان پر غیر متزلزل یقین کے جذبے سے سرشار ہیں وہی حزب اختلاف کی نیو اٹھائیں۔ بصورت دیگر حزب اختلاف کا قیام ایسے ہاتھوں میں چلا جائے گا جو نظریہ پاکستان میں ایمان نہیں رکھتے ہوں گے بلکہ سرے سے اس کے مخالف ہوں گے۔ اس صورت میں سیاسی افراتفری اور فکری انتشار میں جس قدر اضافہ ہو گا اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہونا چاہیے۔ اس محفل میں کئی اصحاب ایسے ہیں جنہوں نے تحریک پاکستان میں سرگرم حصہ لیا' وہ محب وطن بھی ہیں لیکن نظریہ پاکستان کے مخالف ہیں' ان میں محترم میاں افتخار الدین بھی ہیں۔ اور تو اور سردار شوکت حیات بھی ان کے رفیق سفر ہو گئے ہیں۔ ان حالات میں اور بھی ضروری ہو گیا کہ صحیح الفکر پاکستانی اکٹھے ہوں اور نظریہ پاکستان میں یقین

Marfat.com

رکھنے والوں سے عبارت حزب اختلاف منظم کریں۔ یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ حزب اختلاف کی بنیادیں ابھی سے رکھ دی جائیں تاکہ ملک کی عمارت کی تعمیر متوازن اور مستحکم بنیادوں پر ہو۔ یہ اسی طرح ممکن ہے کہ ایسے صاحب عزیمت افراد اس میں حصہ لیں۔ جنہوں نے انگریز کے سامراج اور ہندو کی مشترکہ قومیت کے نظریہ دونوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیا تھا''۔

حمید نظامی کی اس تقریر کے بعد یوں لگا جیسے سننے والوں کو سانپ سونگھ گیا ہے۔ چند لمحے مکمل سکوت طاری رہا اور پھر اجلاس میں نماز مغرب کے لئے وقفہ ہو گیا۔ جب نماز مغرب کے بعد اجلاس دوبارہ شروع ہوا تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہاں پر موجود ہر شخص حمید نظامی کی حزب اختلاف کے قیام کی تجویز سے پوری طرح متفق تھا۔ چنانچہ چند منٹ تک حمید نظامی کی تجویز کے حق میں کی گئی باتوں کے بعد میاں عبدالباری اور نواب ممدوٹ کی قیادت میں جناح مسلم لیگ کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ گویا پاکستان میں محبِّ وطن حزب اختلاف کی تنظیم کے سلسلے کی پہلی اینٹ رکھ دی گئی جس کا سہرا حمید نظامی کے سر تھا۔ اس کے بعد حزب اختلاف کو مستحکم اور توانا کرنے میں حمید نظامی نے اپنی تحریروں کے ذریعے جو تحریک چلائی وہ بھی ملک کی سیاسی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ پاکستان میں جمہوریت کے استحکام اور جمہوری روایات کے قیام و بقا کے لئے حزب اختلاف کو معرض وجود میں لانے کے لئے حمید نظامی نے مرکزی کردار ادا کیا اور پاکستان میں پہلی حزب اختلاف کے نقیب بن کر انہوں نے ملی قرض ادا کیا۔

اسی طرح پاکستان کی سیاسی تاریخ میں 1950ء کا سال انتہائی اہم نوعیت کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا ہی ہنگامہ خیز تھا کیونکہ ممتاز سیاستدان اور متحدہ بنگال کے سابق وزیر اعظم سید حسین شہید سہروردی حزب اختلاف کے قائد بن کر ابھرے۔ انہوں نے 1950ء کے ماہ فروری ہی سے ملک میں دوروں کا آغاز کر دیا۔ 19 مارچ 1950ء کو حسین شہید سہروردی نے لاہور کی قدیمی اور تاریخی جلسہ گاہ باغ بیرون موچی دروازہ میں آل پاکستان مسلم لیگ ورکرز کنونشن کی صدارت کرتے ہوئے اپنی تقریر میں کہا کہ'' حکومت اور مسلم لیگ کو فعال بنانے کے لئے ایک صحت مند اپوزیشن کا وجود اشد ضروری ہے''۔

Marfat.com

''موجودہ مسلم لیگ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی آلہ کار بن گئی ہے' عوام کو اس جماعت پر کوئی اعتماد نہیں رہا''۔

حمید نظامی نے سید حسین شہید سہروردی ایسے صاحب بصیرت اور عظیم محب وطن سیاستدان کو قائد حزب اختلاف کا منصب سنبھالنے کے لئے اپنے اخبار کے ذریعے راستہ ہموار کر دیا اور سہروردی صاحب کو جناح مسلم لیگ کے قیام میں حمید نظامی کا پورا پورا تعاون حاصل رہا۔ پھر اس نئی جماعت میں شیخ خورشید احمد' میاں امیر الدین' میاں عبدالباری اور نواب افتخار ممدوٹ اور ان کے ساتھی بھی شامل ہو گئے۔

حزب اختلاف کے قیام کے بعد حمید نظامی صحت مند جمہوری روایات پیدا کرنے کے لئے حکومت کی غلط حکمت عملیوں کے خلاف تیغ بے نیام بن گئے۔ اس سلسلے میں ان کا ہدف مرکزی مسلم لیگی قیادت تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب خواجہ شہاب الدین کے پاس مرکزی وزیر داخلہ ہونے کے ساتھ ساتھ اطلاعات ونشریات کا قلمدان بھی تھا۔ انہوں نے پرنٹ میڈیا کے بعض گوشوں میں جرأت اظہار کی رمق محسوس کی تو اس حوالے سے تمام اخبارات کو حکومت کے حق میں رام کرنے کا منصوبہ بنایا۔ قیام پاکستان سے قبل کے ایک کالے قانون سیفٹی ایکٹ کا انہیں سہارا تو تھا ہی' اس کو انہوں نے اخبارات کے خلاف استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کی۔ اور اس مقصد کے لئے کاسہ لیس قسم کے ایڈیٹروں کی اس بارے میں تائید حاصل کر لی کہ حکومت سیفٹی ایکٹ کے تحت اخباروں کے خلاف کارروائی کر سکتی ہے۔

خواجہ شہاب الدین اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ تھے کہ ''نوائے وقت'' کے ایڈیٹر حمید نظامی مرکزی حکومت کے غلط قسم کے اقدامات اور پالیسیوں کی لمحہ بھر کے لئے بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ اور ایسی بے جا پالیسیوں پر حمید نظامی اپنے اداریوں میں مرکزی حکومت کے دعوؤں کے بخیئے ادھیڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ خواجہ شہاب الدین حمید نظامی کے مقابلے میں چند ایڈیٹروں کو ساتھ ملا کر اس کوشش میں تھے کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں مدیران جرائد کو سیفٹی ایکٹ کی حمایت پر آمادہ کیا جائے تاکہ حمید نظامی کے حکومت کی پالیسیوں کے خلاف شمشیر خارا شگاف کی طرح چلنے والے قلم پر قدغن لگانے میں آسانی ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے اپریل 1950ء میں خواجہ شہاب الدین نے طے شدہ سازش کے تحت پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز کونسل کا

Marfat.com

اجلاس کراچی میں بلوایا۔ ''ڈان'' کے ایڈیٹر اگرچہ حمید نظامی کے گہرے دوست تھے اور حمید نظامی کے بے خوف طرزِ صحافت سے پوری طرح واقف تھے مگر خواجہ شہاب الدین نے ان کو اپنا ہمنوا بنا لیا تھا۔ پیر علی محمد راشدی ان دنوں پی این ای سی کے نائب صدر تھے۔ وہ خواجہ صاحب کے کہنے پر کھلم کھلا حمید نظامی کے خلاف گروپ بندی کر رہے تھے۔ اس مقصد کے لئے حکومت نے اس وقت کے کئی فرضی اخبارات کے جعلی ایڈیٹروں کو بھی کراچی میں اکٹھا کر لیا تھا۔ اجلاس میں سیفٹی ایکٹ پر بات ہوئی۔ حمید نظامی اس عظیم ہستی کے پیروکار تھے جس نے غیر منقسم ہندوستان میں رولٹ ایکٹ کی مخالفت کرتے ہوئے پارلیمنٹ میں یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ''وہ کتے کی موت مرنا پسند کریں گے مگر بنیادی حقوق سے متصادم رولٹ ایکٹ کی حمایت نہیں کر سکتے''۔

حمید نظامی تو حضرت قائداعظمؒ کے خوش چین رہے تھے وہ سیفٹی ایکٹ کو کب تسلیم کرنے والے تھے۔ اس اجلاس میں حکومتی نوازشات و ترغیبات نے اسی (80) ایڈیٹروں کو ڈھیر کر دیا' وہ حکومت کے ہمنوا تھے اور صرف آٹھ طمع و لالچ سے بے نیاز اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ ان کے رہنما حمید نظامی تھے۔ اس موقع پر حمید نظامی نے ایک بار پھر دلائل سے لدی پھندی تقریر کر کے اپنے ماضی کے زمانے کی یاد تازہ کر دی۔

انہوں نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا ''ہم لوگ تو اپنے گریبانوں کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس وقت حکومت کے ہمنوا ہیں ہم ان کے گریبانوں کی حفاظت کے لئے کہتے ہیں کہ سیفٹی ایکٹ اخبارات کی آزادی کے لئے زہر ہلال ثابت ہو سکتا ہے...... '' ایک ایڈیٹر نے حمید نظامی کی تقریر میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔۔۔ ''کوئی بات نہیں آپ ہمارے گریبانوں کی فکر نہ کیجئے''۔

اس اجلاس میں جن ایڈیٹروں نے سیفٹی ایکٹ کی مخالفت میں ووٹ دیا۔ ان میں فیض احمد فیض' سید عطاء اللہ ہاشمی' مرزا عزیز بیگ' آغا شورش کاشمیری اور حمید نظامی شامل تھے۔

یہ حقیقت ملکی صحافتی تاریخ میں حریت فکر کے باب کا زریں ورق ہے کہ حمید نظامی کی سیفٹی ایکٹ کے خلاف بیباکانہ تقریر اور پھر تمام تر حکومتی حربوں کے باوجود اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کی بات اعلیٰ ترین سرکاری حلقوں میں موضوع گفتگو بنی رہی۔ ان حلقوں میں نظامی صاحب کی

Marfat.com

عزت وتکریم میں مزید اضافہ ہو گیا۔

چنانچہ اجلاس کے اختتام پر ٹاؤن ہال کراچی میں الوداعی عصرانہ ہوا۔ اس میں حمید نظامی کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لئے بڑے اعلیٰ حکام نے معذرت خواہانہ طرز گفتگو اختیار کئے رکھا اور ان کی کوشش رہی کہ حمید نظامی حکومتی موقف پر صاد کریں۔ مگر حمید نظامی نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ اصولوں پر کسی قسم کی سودے بازی میرے نزدیک ناقابل معافی جرم ہے۔

اسی عصرانے میں ایک واقعہ نے چشم زدن میں رنگ محفل ہی کو بدل کر رکھ دیا۔ بہت سے ایڈیٹر جو اگرچہ حکومت کے ہمنوا تھے وہ بھی لرز کر رہ گئے۔ بہت سوں کے چہروں کا رنگ اڑ گیا۔ ایک حمید نظامی تھے یا ان کے پانچ سات ساتھی، وہ پہاڑ کے سے عزم کے ساتھ باوقار انداز میں اپنے چہروں پر تمکنت کی جھلک لئے ہوئے پرسکون نظر آ رہے تھے۔ ہوا یوں کہ اس وقت کے جائنٹ سیکرٹری اطلاعات محمد اکرم (سی ایس پی) نے حمید نظامی سے بڑے احترام کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ ''خواجہ صاحب آپ سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں'' ایک فیلڈ مارشل کی کابینہ کے مرکزی وزیر اطلاعات ونشریات خواجہ شہاب الدین اس وقت چار چھ قدم کے مختصر سے فاصلے پر کھڑے ان دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے کہ حمید نظامی نے انتہائی درشت لہجے میں خواجہ شہاب الدین کی طرف انگلی کا واضح اشارہ کرتے ہوئے کہا ''میں اس شخص سے بات کرنا نہیں چاہتا، یہ شخص جھوٹا ہے، اخبارات کی آزادی کا قاتل ہے ......''۔

یہ سب کچھ خواجہ شہاب الدین نے سنا اور فوراً دوسری طرف نکل گئے۔ اس صورت حال کا نظارہ کرنے والوں کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا مگر حمید نظامی اطمینان کے ساتھ اپنے ساتھی سے محو گفتگو ہو چکے تھے۔

مرکزی وزیر اطلاعات ونشریات خواجہ شہاب الدین کے نام ایک کھلے خط میں جو ''نوائے وقت'' میں 9 جون 1950ء میں اداریہ کے طور پر شائع ہوا، وہ حمید نظامی کی جرأت اظہار کے علاوہ زور بیان اور شوکت الفاظ کا حسین امتزاج پیش کرتا ہے۔ مگر اس خط میں بھی صحافتی آداب کو ملحوظ خاطر رکھا گیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ حقائق اور دلائل سے بات کی گئی تھی۔ یہ اداریہ اس طرح تھا۔

Marfat.com

ایک کھلا خط

آنریبل خواجہ شہاب الدین کی خدمت بابرکت میں

من کہ رمز شہر یاری با غلاماں گفتہ ام
بندہ تقصیر دارم پیش سلطانم برید

حضور والا! آپ ایک عرصے سے پاکستان کے اخبارات کو کسی نہ کسی حیلے مکمل سرکاری کنٹرول میں لانے کی سعی فرما رہے ہیں' اس میں آپ کو بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے۔ آپ نے جو حربے استعمال کیے ان کا ذکر غیر ضروری ہے۔ کیونکہ آپ بھی اس داستان سے اچھی طرح آگاہ ہیں اور اخبار بین عوام بھی اس کی تمام تفاصیل سے واقف ہیں۔ سردست یہی کہنا کافی ہے کہ پاکستان کے اخبارات آپ کی خواہش سے دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں اور ''جادوئے محمود'' کی تاثیر سے ''چشم ایاز حلقہ گردن میں ساز دلبری'' دیکھ رہی ہیں۔ میں اس ''سحر سامری'' کی داد دیتا ہوں کہ غریب بچھڑوں نے از خود اپنی گردنیں آپ کے سامنے جھکا دی ہیں۔ اور یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کو اس امر کا حق حاصل ہے کہ جب مزاج عالی میں آئے ان کی گردنوں کو سیفٹی آرڈیننس کی تلوار سے اڑا دیجئے۔

خواجہ صاحب! آپ کے حاشیہ بردار آپ کو یہ یقین دلانے میں مصروف ہیں کہ آپ اقلیم صحافت کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ آپ نے سب کو اپنے آستانہ عالیہ پر سجدے پر مجبور کر دیا ہے۔ صرف ایک ''نوائے وقت'' باقی رہ گیا ہے اگر اسے دار پر کھینچ دیا جائے تو آپ اطمینان سے کوس لمن الملکی بجا سکیں گے۔ میں آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے خوشامدی آپ کو غلط اطلاعات بہم پہنچا رہے ہیں۔ آزادیٔ صحافت کی جنگ لڑتے ہوئے میدان میں یکہ و تنہا رہ جانا افسوسناک بھی ہے مگر وجہ تفاخر بھی' اس لئے اگر یہ بات درست ہوئی تو ''نوائے وقت'' یکہ و تنہا رہ جانے کے باوجود اپنے اس شرف پر فخر کرتا مگر حقیقت یہ ہے کہ آزادیٔ صحافت کی جنگ میں کئی دوسرے اخبار ''نوائے وقت'' کے دوش بدوش ہی نہیں لڑ رہے۔ اس سے زیادہ جرأت و بے جگری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اور اگر ابھی تک آزاد صحافت کا پرچم اس ملک میں سرنگوں نہیں ہوا تو اس کا سہرا انہیں بہادر صحافیوں کے سر ہے جنہوں نے اپنے محدود وسائل و ذرائع کے باوجود فسطائی رجحانات سے اندھی طاقتوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا ہے۔

Marfat.com

عزت مآب خواجہ صاحب! ہماری طرف سے آپ کو اس امر کا یقین دلانے کی کوشش کہ ہم پاکستان کے وفادار ہیں' ہماری حد سے زیادہ توہین ہے۔ ہم ان لوگوں میں سے نہیں جو پاکستان بننے کے بعد پاکستان پر ایمان لائے۔ میں عجز کے ساتھ یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ میں گنتی کے ان چند آدمیوں میں سے ہوں جو اس وقت بھی پاکستان پر دیوانہ وار ایمان رکھتے تھے جب بعض ایسے لیڈر بھی جن میں سے بعض آج وزیر ہیں یا مسلم لیگ کی تحریک سے کوئی تعلق ہی نہ رکھتے تھے یا لیگ سے وابستگی کے باوجود پاکستان کو محض سودا بازی کا ایک حربہ ایک Barganing counter سمجھتے تھے۔ میں بڑے عجز کے ساتھ مگر جائز غرور کے ساتھ یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ قائداعظم کی سرپرستی' شفقت اور خوشنودی اس زمانہ میں میرے شامل حال رہی ہے جب بعض ایسے بزرگوں کے لئے جو آج مسند وزارت پر متمکن ہیں ان سے انٹرویو کر لینا بھی آسان نہیں تھا۔ اس زمانہ میں جب قائداعظم از راہ کرم (میرے استحقاق سے کہیں زیادہ) مجھے اپنے ادنیٰ مگر انتہائی معتمد سپاہیوں میں گنتے تھے۔ میں نے آپ کا تو کبھی نام بھی نہ سنا تھا' لیکن آپ کے شریف النفس' نیک طینت برادر معظم گرامی قدر خواجہ ناظم الدین اور عزت مآب مسٹر لیاقت علی خان' قائداعظمؒ کے نائبین میں شامل تھے۔ آپ اس کی تصدیق ان سے فرما سکتے ہیں۔

پاکستان سے وفاداری وزیروں کا اجارہ نہیں' نہ وزارت کی گدی پر بیٹھتے ہی کوئی شخص وفاداران ملت کا امام بن جاتا ہے۔ میں نے اپنی زندگی کے بہترین سال تحریک پاکستان کی خدمت میں بسر کئے ہیں۔ اور جہاں تک اس سلسلے میں ''نوائے وقت'' کی خدمات کا تعلق ہے بعض ایسے بزرگوں کی خدمات کو جو آج وزیران باتدبیر میں شامل ہیں ہزار سے بھی ضرب دی جائے تو پلڑا ''نوائے وقت'' کا ہی بھاری رہے گا۔ میں پاکستان سے وفاداری کا درس لینے کے لئے کسی وزیر کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے سے انکار کرتا ہوں نہ میں کسی وزیر کو آسمانی مخلوق ماننے کے لئے تیار ہوں۔ میرا عقیدہ ہے کہ اگر اخبار نویس ایماندار ہے تو وہ قوم کی نظروں میں کسی وزیر سے فروتر نہیں۔

پاکستان سے وفاداری اور محبت ہی کا تقاضا ہے جو ہمیں اس پر مجبور کر رہا ہے کہ ہم ارباب اختیار کی ناراضگی کا خطرہ مول لے کر بھی حکومت پر نکتہ چینی کے حق سے دست بردار ہونے سے

Marfat.com

انکاری ہیں۔ ورنہ ''نام نہاد عزت'' دوسری طرف ہے دولت دوسری طرف ہے' آرام دوسری طرف ہے۔ ہم ''پھولوں'' کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے اور صرف کانٹے چننے پر مصر ہیں تو صرف اس لئے کہ ہمارا ایمان ہے کہ پاکستان کی بہتری اسی میں ہے کہ اس ملک کے اخبار آزاد رہیں اور جہاں وہ ہر اچھی بات کے لئے گورنمنٹ کی تائید کریں وہاں وہ سرکار کی غلطیوں پر اسے ٹوک بھی سکیں۔ اگر پریس پر مکمل سرکاری کنٹرول ہو گیا اور اخبارات نے لالچ یا خوف کے باعث حکومت پر نکتہ چینی کا حق چھوڑ دیا تو اس ملک میں صحافت کا جنازہ نکل جائے گا۔ اور حکومت بالکل فاشی رنگ اختیار کر جائے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص ملک میں یہ صورت حال پیدا کرنا چاہتا ہے وہ پاکستان کا خیر خواہ کہلانے کا مستحق نہیں۔

عزت مآب! میں آپ کی غلط فہمی رفع کر دوں' یہ خالص آزادی صحافت کی جنگ ہے۔ اس کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ بعض اخبارات کو الجھاوے دینے کے لئے اسے خان افتخار حسین سے گڈ مڈ نہ فرمایئے بے شک خان افتخار حسین میرے دوست ہیں مگر وہ اس وقت بھی میرے دوست تھے جب اس صوبہ پنجاب میں کوئی شخص قائداعظمؒ کی میزبانی کا شرف حاصل کرنے سے بھی ڈرتا تھا اور وہ پنجاب میں قائد مرحوم کے عزیز ترین نائب تھے۔ وہ اس وقت بھی میرے دوست تھے جب وہ اس صوبے کے وزیراعظم تھے اور آج جب وہ عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہیں' میں ان کی دوستی سے انکار کرنا مردانگی اور شرافت کی توہین سمجھتا ہوں۔ کیا دوست کی دوستی سے اس لئے انکار کر دینا چاہئے کہ وہ مصیبت میں مبتلا ہے؟ معاف فرمایئے میں ایسے لوگوں میں سے نہیں ہوں جن کی دوستی صرف اقتدار کے سایہ میں پروان چڑھتی ہے اور جو مصیبت کے وقت دوستوں کا ساتھ چھوڑ دینا ہی دانائی سمجھتے ہیں۔ میں چڑھتے سورج کی پرستش کا عادی نہیں ہوں مگر خان افتخار حسین کو خوامخواہ اس جھگڑے میں نہ گھسیٹئے۔ یہ خالص صحافتی معاملہ ہے۔ اسے اسی سطح پر رہنے دیجئے۔

غلطی کرنا خاصہ بشریت ہے' غلطیاں سب سے سرزد ہوتی ہیں۔ ''نوائے وقت'' سے بھی ہوتی ہیں مگر غلطیاں سرکار سے بھی ہوتی ہیں۔ اس کی ایک ادنیٰ دلیل یہ ہے کہ ''نوائے وقت'' کی جن گزارشات پر آپ بے حد ناک بھوں چڑھاتے ہیں اکثر تین ماہ بعد ان پر من وعن عمل کیا جاتا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو میں مثال کے طور پر ایک طویل فہرست پیش کر سکتا ہوں......

Marfat.com

اگر آپ کا خیال ہے کہ میں غلطی پر ہوں تو آپ قائل کرنے کی کوشش کیجئے۔ اگر آپ کسی مسئلہ کے بارے میں ہمیں یہ یقین دلا دیں کہ ہم غلطی پر ہیں تو ہمیں اصلاح احوال اور تلافیء مافات میں کوئی عذر نہیں ہوگا۔ مگر کسی لالچ، ترغیب یا تحریص کے ذریعے آپ مجھے اس پر مجبور نہیں کر سکتے کہ میں اپنی رائے بدلوں، میں قلم کی عصمت کو ماں بہن کی عصمت سے کم مقدس نہیں سمجھتا۔ میں پھانسی پر لٹک جانے کو اس کا سودا کرنے پر ترجیح دوں گا۔ یہ جنس کسی اور منڈی میں بکتی ہے، آپ اس منڈی میں اپنا شوق خریداری پورا کر لیجئے۔ نہ میں آپ کے ڈنڈے اور بینمی ایدٹ کی تلوار سے ڈر کر سیاہ کو سفید اور گدھے کو گھوڑا کہنے کے لئے تیار ہوں اگر "نوائے وقت" بکاؤ مال ہوتا تو آپ اپنے بے حد وسیع ذرائع کی بنا پر اب تک اسے خرید چکے ہوتے اور اگر اس کی پالیسی کو تلوار دکھا کر بدلا جا سکتا تو اب تک میرا سر آپ کے قدموں میں ہوتا۔ مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اس سر کو آپ کاٹ سکتے ہیں غیر اللہ کے سامنے جھکنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔

عزت مآب! آپ ہمارے بزرگ اور واجب الاحترام وزیر ہیں۔ اگر آپ کا خیال ہے کہ ہم غلطی پر ہیں اور آپ راستی پر تو روپے کی تھیلیاں دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں نہ تلوار کی نمائش کی ضرورت ہے۔ عقل و دانش کے اعتبار سے ریت کے بوروں، تحریک پاکستان کے پرانے دشمنوں، عیار و خود غرض خوشامدیوں اور صبح شام اپنی پالیسی بدلنے والے ضمیر فروش اخبار نویسوں کی مدد سے آپ رائے عامہ کو اپنا ہمنوا نہیں بنا سکتے۔ اپنے نوٹ تجوری میں رکھئے اور اپنی تلوار نیام میں ڈالئے، دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کیجئے اگر آپ ہمیں غلطی کا احساس کرا دیں تو ہم خود اس طرح اصلاح کریں گے کہ آپ بھی حیران رہ جائیں گے اور اگر یہ طریقہ منظور نہیں تو پھر "نوائے وقت" کے گذشتہ چھ مہینوں کے پرچے پنجاب ہائی کورٹ یا پاکستان کی سپریم کورٹ کے سامنے رکھ دیجئے اور ملک کی ان لائق صد احترام عدالتوں کو اس امر کا فیصلہ کرنے دیجئے کہ اخبارات کو کیا حقوق حاصل ہیں؟ آزادیء صحافت کی کیا حدود ہیں؟ اور نکتہ چینی کہاں تک جائز ہے اور کہاں ناجائز بن جاتی ہے؟ نہ صرف ہمیں ملک کی ان عدالتوں کا فیصلہ قبول ہوگا بلکہ سارے اخبارات کے حقوق بھی معین ہو جائیں گے۔

شریفانہ رستے تو یہی دو ہیں، آگے آپ مالک و مختار ہیں جو چاہیں کریں

وقتِ برہنہ گفتن است من بہ کنایہ گفتہ ام!

Marfat.com

موضوع کی اہمیت اور نزاکت کے باعث مجھے اس خط میں انگریزی محاورہ کے مطابق وحشیانہ صاف گوئی سے کام لینا پڑا ہے۔ امید ہے کہ آپ اسے گستاخی پر محمول نہ فرمائیں گے۔ مقصد کسی کی توہین یا دل آزاری نہیں' زیادہ سے زیادہ غیر مبہم الفاظ میں حقائق کا بیان تھا۔ بایں ہمہ اگر نادانستہ مجھ سے توہین کا ارتکاب ہو گیا ہو یا کسی فقرے سے کسی کی دل آزاری کا پہلو نکل آئے تو میں معافی مانگتا ہوں۔

حضور والا! میں ہوں

پاکستان کا ایک ادنیٰ اخبار نویس

حمید نظامی

ایڈیٹر ''نوائے وقت'' لاہور

❖

Marfat.com

صحافت کا قتل

☆ دل یا شکم

☆ ''نوائے وقت'' کا ڈیکلریشن منسوخ

☆ نہ جھکے نہ بکے

Marfat.com

پاکستان میں صحت مند جمہوری نظام کے استحکام کی خاطر حزب اختلاف کا بھرپور ساتھ دینے کے نتیجے میں حمید نظامی کو اس وقت کے بعض صاحبان اقتدار کی طرف سے بڑی دلکش ترغیبات دی گئیں جب حمید نظامی کو زیر دام لانے کی حکومتی کوششیں ناکام ہو گئیں تو انہیں مختلف قسم کی دھمکیاں دی جانے لگیں مگر حمید نظامی کی چمڑی حکومتی دھمکیوں سے بے نیاز تھی۔ یہ وقت حمید نظامی کے لئے ''دل یا شکم'' میں سے کسی ایک چیز کو منتخب کرنے کا تھا اور اس مرد قلندر نے دل کی بات کو مقدم جانا۔ حمید نظامی کی طرف سے اپوزیشن کا پیغام دلکش اور خوبصورت انداز میں رائے عامہ کے سامنے پیش کرنے ہی کا نتیجہ تھا کہ 1951ء میں پنجاب کے عام انتخابات میں حمید نظامی کے اخبار کی بھرپور حمایت کے نتیجے میں جناح مسلم لیگ نے پچیس سے زائد نشستوں پر کامیابی حاصل کی اور حمید نظامی نے میڈیا کے محاذ پر دولتانہ گروپ کے لئے بے پناہ مشکلات پیدا کیں۔ مگر یہ سبھی کچھ حمید نظامی مسلم لیگ کو فعال بنانے اس میں بعض حریص اقتدار زعماء کی ریشہ دوانیوں کے سدباب کے لئے ایسا کرنا ضروری خیال کرتے تھے۔ اس کے برعکس صحت مند اپوزیشن کے قیام اور اس کی حمایت کے باعث ممتاز دولتانہ کے دل میں حمید نظامی کے بارے میں مخاصمت کا جذبہ پیدا ہوا۔

میاں ممتاز دولتانہ نے اکثریتی پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے وزیر اعلیٰ پنجاب کا منصب سنبھالا تو ''نوائے وقت'' کے سرکاری اشتہارات پر پابندی عائد کر دی گئی اور چند یوم بعد حمید نظامی کو الاٹ شدہ امرت الیکٹرک پریس کی الاٹمنٹ منسوخ کر دی گئی۔ حمید نظامی اس وار کو ہنس کر سہہ گئے۔ 11 اپریل 1951ء کو حمید نظامی نے ''نوائے وقت'' کے پریس کی تبدیلی کے

Marfat.com

لئے درخواست دی۔ ایسی درخواست عام طور پر پانچ منٹ میں منظور ہو جایا کرتی تھی مگر حکومت کے ارباب حل وعقد کی ہدایات پر متعلقہ اہلکاروں نے اس کا جواب دینا ہی گوارا نہ کیا۔ 23 اپریل کو زرضمانت داخل کرانے کے لئے حمید نظامی گئے تو یہ حکم نامہ مل گیا کہ آپ کا ڈیکلریشن (نوائے وقت) منسوخ کر دیا گیا ہے اس لئے ضمانت نہیں لے سکتے۔

26 اپریل کو ڈیکلریشن کے لئے دوبارہ درخواست دی گئی تو سوا مہینہ تک اس کا بھی کوئی جواب نہ آیا۔ 26 اپریل ہی کو قندیل' مخزن' اور روزنامہ ندائے ملت کے ڈیکلریشن کے لئے درخواستیں دی گئیں۔ چند یوم بعد قندیل اور مخزن کا ڈیکلریشن تو مل گیا مگر تیسرے روزنامہ اخبار ندائے ملت کی سیفٹی آرڈیننس کے تحت اجازت دینے سے انکار کر دیا گیا۔

21 مئی 1951ء کو''نوائے وقت'' کا ڈیکلریشن ایک شخص مظفر احسانی کو دے دیا گیا۔ جب دیگر اخبارات نے اس اقدام کے خلاف احتجاج کیا تو 26 مئی کو ڈائریکٹر تعلقات عامہ نے انگریزی اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ کے ایڈیٹر کے نام ایک خط لکھا کہ حمید نظامی نے نئے ڈیکلریشن کے لئے کوئی درخواست ہی نہیں دی تھی' اس لئے نیا ڈیکلریشن دوسرے آدمی کو دے دیا گیا۔ ایسے حکومتی ہتھکنڈوں سے حکومت پر حمید نظامی کی دہشت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ حالانکہ حکومتی موقف سراسر غلط بیانی تھی۔ حمید نظامی تو 10 اپریل ہی کو ایک درخواست دے چکے تھے مگر حکومت کی طرف سے اس بارے میں بھی یہ موقف اختیار کیا گیا تھا کہ ایک شخص نے ان سے تین دن پہلے 7 اپریل ہی کو ڈیکلریشن کی درخواست دے دی تھی۔ اس لئے جس کی درخواست پہلے آئی اس کو ڈیکلریشن دے دیا گیا۔

حمید نظامی کے اخبار کے ڈیکلریشن کی منسوخی کی خبر بھارت کے تمام اخبارات میں شائع ہوئی تو ریاست دہلی کے ایڈیٹر سردار دیوان سنگھ مفتون نے دیرینہ شناسائی کے حوالے سے وزیر اعظم پاکستان نوابزادہ لیاقت علی خان کی اہلیہ بیگم رعنا کو ایک ذاتی خط لکھا۔ ان دنوں حمید نظامی ''جہاد'' نکال کر حکومت کی زیادتیوں کے خلاف قلمی جہاد میں مصروف تھے۔

بیگم رعنا لیاقت علی خاں کو دیوان سنگھ مفتون کا خط ملا تو اپنے طور پر انہوں نے حمید نظامی اور پنجاب کی حکومت کے معاملات معلوم کئے۔ اس کے بعد انہوں نے دیوان سنگھ مفتون کو خط کا جواب بھیجا۔ جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ سردست یہ معاملے طے نہیں پا سکتا کیونکہ حمید نظامی

Marfat.com

بہت ضدی آدمی ہے۔ بعض ذرائع کے مطابق بیگم رعنا نے اپنے شوہر نامدار وزیر اعظم نوابزادہ لیاقت علی خان سے اس بارے میں بات کی تو لیاقت علی خان بھی محض اس وجہ سے حمید نظامی کے بارے میں کوئی سافٹ کارنر نہیں رکھتے تھے کہ حمید نظامی مسلم لیگ کی مرکزی قیادت کی غلط پالیسیوں اور حکومت کی غلط کاریوں کو بے خوفی اور بیباکی کے ساتھ اپنے اخبار میں ہدف تنقید بناتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی بیگم سے اس معاملے میں سردار دیوان سنگھ مفتون کی خواہش کے مطابق مداخلت کر کے اسے رفع دفع کرانے سے گریز کیا۔ در پردہ وہ خود بھی حمید نظامی سے اس مسئلے پر رابطہ کرتے ہوئے خوف کھاتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے جان چھڑانے کی خاطر صوبائی حکومت کی برسر اقتدار مسلم لیگی قیادت کو بچانے کے لئے حمید نظامی کے بارے میں ضدی ہونے کا فتویٰ دیا۔

ادھر 28 جولائی 1951ء کو ''جہاد'' کے پرنٹر شریف حسین سہروردی کو دولتانہ کی ہدایات پر پولیس نے آ کر دھمکایا۔ کچھ لالچ بھی دیا جس کے بعد اس نے اپنے پریس میں ''جہاد'' چھاپنے سے معذرت کر لی۔ حمید نظامی اس صورت حال سے دل گرفتہ تو ہوئے مگر ہمت نہ ہاری۔ انہوں نے ''جہاد'' کے پریس کی تبدیلی کی درخواست دے دی، جس کے جواب کا ایک ماہ تک انتظار کرتے رہے۔

حمید نظامی نے اسی دوران مظفر احسانی سے روزنامہ ''نوائے وقت'' کے بارے میں بات کی۔ یکم ستمبر 1951ء کو مظفر احسانی نے عدالت میں جا کر بیان حلفی دیا کہ حمید نظامی کے ساتھ ایک معاہدہ کے تحت وہ مل کر ''نوائے وقت'' نکالیں گے۔ اس کا ایک روز قبل اعلان بھی کیا گیا مگر یکم ستمبر کی شام پنجاب پولیس نے مظفر احسانی کے گھر ڈیرے ڈال دیئے اور اس کو ڈرا دھمکا کر معاہدے سے پھرنے پر مجبور کر دیا۔ وطن کے بانی کے ساتھ تحریک پاکستان میں مجاہدانہ کردار ادا کرنے والے حمید نظامی کے لئے ایسے لمحات کس قدر روح فرسا تھے اس کا اندازہ عام اخبار نویس کے لئے لگانا آسان نہیں۔

چنانچہ وہ رات حمید نظامی کے لئے نہ صرف پریشان کن بلکہ انتہائی تکلیف دہ تھی کیونکہ وہ اس اعلان کے اشتہارات لگوا چکے تھے کہ 2 ستمبر 1951ء کو ان کی ادارت میں ''نوائے وقت'' دوبارہ منصۂ شہود پر نمودار ہوگا۔ وہ انتہائی اضطرابی کیفیت میں اپنے دو چار دوستوں کے ساتھ مال

Marfat.com

روڈ پر ٹہل رہے تھے کہ کسی دوست نے مشورہ دیا کہ ''نوائے پاکستان'' کے پبلشر حاجی شریف سے بات کر لی جائے۔ اگر وہ پرچہ دینے پر آمادہ ہو جائیں۔ اس پر چاروں دوست حاجی شریف سے جا کر ملے۔ جس نے بات سن کر حمید نظامی سے کہا: ''نظامی صاحب یہ اخبار آپ اپنا سمجھیں۔ جس طرح چاہیں اور جب چاہیں نکالیں''۔ چونکہ ''نوائے وقت'' کے دفتر میں مظفر احسانی سے معاہدہ کی روشنی میں کام ہو رہا تھا' کاپیاں تیار ہو چکی تھیں' حاجی شریف کو ساتھ لے کر سبھی دوست ''نوائے وقت'' کے دفتر پہنچے جہاں آ کر حمید نظامی نے نیوز ایڈیٹر کو ہدایات دیں اور ''نوائے وقت'' کی پیشانی کی جگہ ''نوائے پاکستان'' کی پیشانی تیار کر کے لگا دی گئی۔ اس طرح 2 ستمبر 1951ء کو حمید نظامی کی ادارت میں ''نوائے پاکستان'' کا پہلا پرچہ منظر عام پر آ گیا۔ حمید نظامی اس وقت کی حکومت کی زیادتیوں کے خلاف سیسہ پلائی دیوار کی طرح ڈٹ گئے اور ان کا قلم پہلے سے کہیں زیادہ کاٹ دار انداز میں ایوان اقتدار کے مکینوں کی غلط پالیسیوں کے بخیئے ادھیڑنے لگا۔

انگریزی روزنامہ ''ڈان'' کے ایڈیٹر الطاف حسین نے 2 اکتوبر 1951ء کو حمید نظامی کی پی این ای سی کے علاوہ ''نوائے وقت'' کے بارے میں بات چیت کے لئے کراچی آنے کو کہا۔ الطاف حسین حمید نظامی کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ حمید نظامی ان کے بلانے پر 14 اکتوبر 1951ء کو بذریعہ طیارہ کراچی پہنچے۔ باتوں باتوں میں الطاف حسین نے رائے دی کہ آپ کو وزیراعظم نوابزادہ لیاقت علی خان سے ملاقات کرنی چاہئے تاکہ یہ تاثر دور ہو جائے کہ آپ کو لیاقت علی خان سے کوئی ذاتی پرخاش ہے۔ حمید نظامی نے کہ میرا لیاقت علی خان سے کوئی ذاتی اختلاف نہیں صرف جو اختلاف ہے وہ سیاسی ہے۔ آپ کہتے ہیں تو مجھے ان سے ملنے میں کوئی عذر نہیں۔ الطاف حسین نے پیشکش کی کہ میں آپ دونوں کی ملاقات کا انتظام کرتا ہوں۔ یہ سن کر حمید نظامی نے جواب دیا۔ ''الطاف صاحب جب تک ''نوائے وقت'' کے ڈیکلریشن کا قصہ طے نہ ہو جائے میں وزیراعظم سے ملنا پسند نہیں کرتا۔ لوگ سمجھیں گے کہ حمید نظامی ڈیکلریشن کے لئے ملا ہے۔ اس کے بعد آپ جب مجھے اس مقصد کے لئے بلائیں گے میں آ جاؤں گا''۔ حمید نظامی نے اسی شام کو مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کے ہاں جا کر حاضری دی اور رات کو بذریعہ طیارہ واپس لاہور آ گئے۔

Marfat.com

16 اکتوبر 1951ء کو راولپنڈی میں منعقدہ جلسہ عام میں وزیراعظم لیاقت علی خاں و ایک شخص سید اکبر نے گولی مار کر شہید کر دیا۔ 18 اکتوبر کو خواجہ ناظم الدین نے گورنر جنرل کا عہدہ چھوڑ کر وزارت عظمیٰ کا قلمدان سنبھال لیا۔

21 دسمبر 1951ء کی شام خواجہ ناظم الدین کی مرکزی کابینہ کے رکن وزیر اطلاعات و نشریات ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے لاہور کے مدیران جرائد کو چائے پر بلایا۔ وزیر اطلاعات کی طرف سے دی گئی چائے میں جو ایڈیٹر موجود تھے ان میں یعقوب خان (سول اینڈ ملٹری گزٹ) اختر علی خاں (زمیندار) مظہر علی خاں (پاکستان ٹائمز) پروفیسر سرور (آفاق) حبیب اللہ اوج (احسان) سہروردی (مغربی پاکستان) طفیل احمد (امروز) نذیر بیگ (ستار) آغا شورش کاشمیری (چٹان) حمید نظامی (نوائے پاکستان) اور ملک تاج الدین (اے پی پی) بھی شامل تھے۔

اس محفل میں ڈاکٹر اشتیاق نے کہا کہ ''وہ چاہتے ہیں کہ پریس سے بہتر تعلقات قائم ہوں اس مقصد کے لئے میں چاہتا ہوں کہ ہر ایک دو ماہ بعد اخبارات کے مدیروں اور ان کے درمیان اسی طرح کی غیر رسمی صحبتیں ہوں۔'' حمید نظامی نے ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے بعد کہا کہ ''جب تک حکومت پریس کے متعلق اپنی پالیسی نہیں بدلے گی اس وقت تک ایسی صحبتیں بیکار ہیں۔ وزیروں اور مدیروں کے ایک میز پر بیٹھ کر چائے پی لینے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا''۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین: ''حکومت کسی اخبار کے خلاف نہیں سوائے ان اخبارات کے جو اینٹی نیشنل ہیں''۔

حمید نظامی: ''ڈاکٹر صاحب کوئی اخبار ملک کا دشمن نہیں ہے آپ نے ایسی بات کہہ دی ہے کہ مجھے بھی کچھ کہنا پڑ رہا ہے۔ پاکستان کے قیام کے سلسلے میں ہماری خدمات وزیروں سے زیادہ ہیں''۔

ڈاکٹر اشتیاق: ''میرا مطلب ''نوائے وقت'' سے نہیں ہے''۔

مجید نظامی: ''نوائے وقت کا ذکر میں بھی نہیں کر رہا۔ نہ کسی وزیر سے میں ''نوائے وقت'' کا ذکر کرنا چاہتا ہوں کیونکہ آپ لوگوں سے انصاف کی کوئی امید نہیں۔ میں نے تو عمومی بات کہی ہے کہ کوئی اخبار ملک کا دشمن نہیں ہے۔ حکومت میں اتنی بردباری ہونی چاہئے کہ وہ جائز نکتہ چینی

Marfat.com

برداشت کر سکنے"۔

ڈاکٹر اشتیاق: "میں آپ کے نقطہ نگاہ کو سمجھ گیا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ میری پالیسی یہی ہوگی کہ تمام اخبارات سے یکساں سلوک کیا جائے۔ حکومت نکتہ چینی یا اختلاف کی بنا پر کسی اخبار کے خلاف معاندانہ کارروائی نہ کرے"۔

حمید نظامی: "مرکز کے سیفٹی آرڈیننس کے ذریعہ صوبائی حکومتیں اخبارات کا گلا گھونٹ رہی ہیں۔ جب اعتراض ہوتا ہے تو کہہ دیتی ہیں کہ ہم نے صوبائی سیفٹی ایکٹ استعمال نہیں کیا۔ یہ مجرم بیٹھے ہیں (حمید نظامی نے محکمہ اطلاعات کے افسر نور احمد کی طرف انگلی کا اشارہ کر کے کہا) جنہوں نے سیفٹی آرڈیننس کا اندھا دھند استعمال کر کے حکومت اور پریس کے تعلقات خراب کئے"۔

اگلے روز 22 دسمبر 1951ء کو روزانہ اخبارات کی طرف سے فلیٹیز ہوٹل میں مرکزی وزیر اطلاعات ونشریات ڈاکٹر اشتیاق قریشی کے اعزاز میں استقبالیہ دیا گیا۔ اس استقبالیہ میں ایڈیٹر "زمیندار" مولانا اختر علی خاں نے یکا یک اپنی طرف سے خود ہی سپاسنامہ شروع کر دیا اور کہا "خدا کا شکر ہے کہ ملک کے اخبارات آزاد ہیں"۔ حمید نظامی نے کھڑے ہو کر کہا "یہ غلط ہے! مولانا ہمارے خیالات کی ترجمانی نہیں کر رہے ملک میں پریس آزاد نہیں ہے"۔ اس کے ساتھ ہی حمید نظامی اپنے پچیس تیس دوستوں کے ہمراہ دعوت سے اٹھ کر ہال سے باہر چلے گئے۔ دعوت کے منتظم فوراً باہر آئے اور یہ کہہ کر سبھی کو منا کر واپس لے گئے کہ وہ اعلان کریں گے کہ مولانا اختر علی خاں تمام اخبارات کی طرف سے تقریر کے مجاز نہیں تھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم بننے کے بعد 24 دسمبر 1951ء کو لاہور آئے تو انہوں نے دوسرے روز 26 دسمبر 1951ء کو حمید نظامی کو اپنے سیکرٹری کے ذریعے فون کرا کر بلوایا۔ اس ملاقات کے دوران میں خواجہ ناظم الدین نے دوسری باتوں کے علاوہ خود ہی "نوائے وقت" کے ڈیکلریشن کی بحالی کے معاملے پر بات کی اور حمید نظامی سے نہایت ملائمت کے ساتھ کہا کہ دولتانہ صاحب کی خواہش لگتی ہے کہ آپ سے بالمشافہ بات چیت ہونی چاہئے۔ آپ نے ان کے خلاف بہت کچھ لکھ چھوڑا ہے' آپ ان سے کیوں نہیں مل لیتے۔ حمید نظامی کی بھنویں تن گئیں۔ انہیں خواجہ ناظم الدین کی ایسی باتوں سخت دکھ ہوا اور اسی دکھ کا اظہار انہوں نے خواجہ صاحب سے ان الفاظ میں کیا:

Marfat.com

''خواجہ صاحب! آپ سے میری دیرینہ شناسائی ہے اور آپ میرے کریکٹر سے واقف ہیں۔ آپ کو اس قسم کی بات نہ کہنی چاہئے تھی۔ مجھے سودے بازی کرنی ہوتی تو آپ کے پیش رو لیاقت علی خان سے نہ کر لیتا''۔ خواجہ ناظم الدین کہنے لگے ''میں نے تو بس دولتانہ کی خواہش کا اظہار کیا ہے جس کا میں نے ان کی گفتگو سے اندازہ لگایا تھا۔ میں نے اپنی طرف سے آپ کو کوئی مشورہ نہیں دیا''۔۔۔ حمید نظامی نے کہا کہ ''پھر دولتانہ صاحب سے کہہ دیجئے کہ سودے بازی کی بات اپنے دل سے نکال دیں۔ میرا موجودہ اخبار بھی بند ہو جائے تو میں سودے بازی نہیں کروں گا''۔

8 جنوری 1952ء کو مولانا عبدالمجید سالک نے لاہور کے مدیران جرائد کو میٹرو ہوٹل میں بلایا جس میں تحریک آزادیء کشمیر کے عظیم رہنما چودھری غلام عباس نے ایک طویل یادداشت پڑھ کر سنائی جس میں انہوں نے بعض وزیروں پر الزام عائد کیا تھا کہ انہوں نے جموں و کشمیر کے کارکنوں میں افتراق پیدا کیا ہے۔ اس اجلاس کے بعد چودھری غلام عباس وزیر اعلیٰ پنجاب میاں ممتاز دولتانہ سے ملنے چلے گئے اور واپس آ کر حمید نظامی سے ملے تو میاں ممتاز دولتانہ کی طرف سے باہمی مفاہمت کی خواہش کا ذکر کیا اور حمید نظامی سے کہا کہ آپ بھی معاملے کو رفع دفع کرنے پر آمادہ ہوں تو میں آپ دونوں کی ملاقات کے لئے کوشش کروں۔

حمید نظامی کے دل میں چودھری غلام عباس کا بڑا احترام تھا وہ چودھری صاحب کی بڑی قدر کرتے تھے۔ مگر انہیں بھی اس معاملہ پر یہ جواب دیا:

''میں کالے چور سے ملنے کے لئے تیار ہوں اور اعلیٰ قومی مقاصد کے لئے اس کے ساتھ مل کر کام تو کر سکتا ہوں مگر جب تک ''نوائے وقت'' بند ہے میں دولتانہ سے نہیں ملوں گا۔ لوگ سمجھیں گے کہ میں ڈیکلریشن کے لئے اس سے ملا''۔

حمید نظامی نے وقت کی آندھیوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے ثابت کر دیا کہ وہ نہ جھکنے والے تھے نہ بکنے والے۔ آزادیء صحافت کے محاذ پر وہ تن تنہا تھا مگر اس کی پشت پر ہر ذی شعور اور بالغ نظر پاکستانی تھا۔ وہ ان سب کا ہیرو تھا۔ اس کی ایک ادنیٰ سی مثال یہ تھی کہ انہی دنوں مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح' فاطمہ جناح گرلز کالج گجرات میں تقسیم اسناد کے جلسے کی صدارت کرنے جارہی تھیں کہ بذریعہ کار جاتے ہوئے گوجرانوالہ میں ونگ کمانڈر پروفیسر محمد

Marfat.com

ابراہیم ملک کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے شیرانوالہ باغ میں استقبالیہ ہجوم سے تقریر کرنے رک گئیں لوگ مادر ملت کی آمد کا سن کر چاروں اطراف سے شیرانوالہ باغ کی طرف امڈ آئے۔ انہوں نے تقریر کے دوران فرمایا ''ہم سب پاکستانی ہیں کوئی مہاجر مقامی نہیں''۔ اسی اثنا میں محمد سلیم اختر ملک' محمد اسماعیل' ملک محمد اسحاق' ملک عزیز احمد شیخ' منیر احمد شیخ' چوہدری محمد صادق' خلیفہ امام الدین بقاء' ٹھیکیدار عبدالعزیز' خواجہ صدیق الحسن اور ان کے ساتھیوں نے قائداعظم زندہ باد' پاکستان زندہ باد' فاطمہ جناح زندہ باد کے ساتھ ''نوائے وقت'' زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگائے اور دیر تک ''نوائے وقت'' کا ڈیکلریشن بحال کرو'' کے نعروں سے پنڈال گونجتا رہا۔ کیونکہ وہاں پر موجود ہزاروں سامعین ''نوائے وقت'' کی بحالی اور حمید نظامی زندہ باد کے نعروں میں شریک تھے۔ یہ منظر حمید نظامی کی بیباک صحافت کی ملک گیر شہرت اور قدردانی کا پتہ دیتا تھا۔

❖

Marfat.com

حمید نظامی کے روزنامہ ''نوائے وقت'' کی بندش پر شہرہ آفاق عالمی جریدے ''ورلڈ پریس نیوز'' میں 11 جنوری 1952ء کو پورے صفحے کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں آزادی صحافت کے لئے حمید نظامی کی جدوجہد کو زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا۔ اس مضمون کا عنوان تھا:

Nawa-i-Waqat,s lone. losing battle for press freedom!

اس مضمون کو اسی عنوان سے تحت حمید نظامیؒ نے 17 جنوری 1952ء کو ''نوائے پاکستان'' میں شائع کیا۔ اس کا مقصد حمید نظامی کے آزادیٔ صحافت کے بارے میں نظریات کے آگے بند باندھنے کے لئے حکومتی اقدامات کو عوام سے روشناس کرانا تھا۔

ورلڈ پریس نیوز نے لکھا تھا:

''ایک پاکستانی اخبار کی اشاعت کو روکنے کے سلسلے میں جو کوششیں کی گئیں ان کا حیرت انگیز بیان درج ذیل ہے۔ افسوس ہے کہ یہ مساعی کامیاب ہوئی۔ پریس کی آزادی عالمی جنگ میں بھی ایک اہم ہتھیار ہے۔ اور جہاں کہیں اس پر حملہ کیا جاتا ہے اس کے خلاف ہمت ضروری ہے۔ ''ورلڈ پریس نیوز'' میں ''نوائے وقت'' کی جدوجہد کی تفصیل پیش کی جا رہی ہے جو اس نے اپنی زندگی کے تحفظ کے لئے کی ہے۔ ورلڈ پریس نیوز نے اس بات کا پورا اطمینان کر لیا ہے کہ اس تفصیل کے سارے حقائق بالکل درست اور صحیح ہیں۔ لیکن ہمارے وقائع نگار نے یہ درخواست کی ہے کہ اسے گمنام رہنے دیا جائے۔ چونکہ یہ درخواست معقول وجوہ کی بنا پر کی گئی ہے اس لئے ہم نے وقائع نگار کی درخواست منظور کر

Marfat.com

اپریل 1960ء میں آئی پی آئی کے اجلاس منعقدہ جاپان میں دائیں سے بائیں فخر ماتری آغا شورش کاشمیری

جاپانی خاتون اور حمید نظامی

Marfat.com

لی ہے۔

''نوائے وقت'' پنجاب میں شائع ہونے والے سب سے زیادہ بااثر اور ہر دلعزیز اردو اخبارات میں سے تھا۔ یہ پاکستان کے مرکز صحافت لاہور میں چھپتا تھا۔ اس کی اشاعت 15 اور 20 ہزار کے درمیان تھی اور یہ تعداد اس ملک میں سب سے زیادہ چھپنے والے اخبارات سے بخوبی لگا کھاتی ہے۔ یہ اخبار ابتداء میں پندرہ روزہ تھا مگر 1944ء میں اسے مسٹر جناح صدر مسلم لیگ بانی پاکستان اور بعد میں نئی مملکت کے پہلے گورنر جنرل کی دعائے خیر کے ساتھ روزنامہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ گزشتہ سال کے اوائل میں پنجاب میں عام انتخابات کے آغاز سے فوراً پہلے گورنر پنجاب نے اخبار پر سنسر شپ کی پابندی عائد کر دی جس کے تحت ایڈیٹر کو بشمول اشتہارات اور غیر سیاسی مضامین کے تمام مواد سنسر شپ کے افسر کو جانچ پڑتال اور اشاعت کی منظوری کے لئے دکھانا پڑتا تھا۔ اس پابندی سے صرف باضابطہ خبر رساں ایجنسیوں یعنی رائٹر' ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان' یونائیٹڈ پریس آف پاکستان اور سٹار نیوز ایجنسی کی اطلاعات مستثنیٰ رکھی گئی تھیں۔ مسلسل احتجاج کے بعد یہ پابندی اٹھائی گئی لیکن اس سے قبل حکومت نے یہ تسلی کر لی تھی کہ اب اس کی مزید ضرورت باقی نہیں رہی۔

پرنٹنگ پریس کی ضبطی

اس کے دو ہفتے کے بعد صوبے میں نئی وزارت قائم ہوگئی۔ اپنے منصب پر فائز ہونے کے پانچ روز بعد وزیر اعلیٰ نے اس پریس کی ضبطی کا حکم جاری کر دیا جس میں ''نوائے وقت'' چھپتا تھا۔ یہ حکم اس مبینہ اساس پر دیا گیا کہ پری سنسر شپ کے زمانے میں اخبارات نے اپنی ایک خبر میں چپکے سے ایک فقرہ شامل کر دیا جو سنسر شپ کے ضابطہ کی خلاف ورزی کے مترادف تھا۔ اور یہ توجیہہ پیش کی گئی کہ اس مبینہ خلاف ورزی سے اخبار پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کی کارروائی کا سزاوار ہو گیا ہے۔ چنانچہ پریس کی ضبطی کی وجہ سے ''نوائے وقت'' کی اشاعت رک گئی۔ پاکستان کے پریس قوانین کے تحت نئے اخبار کے اجراء اور تبدیلی پریس کے لئے مجسٹریٹ کے سامنے ڈیکلریشن داخل کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ ''نوائے وقت''

Marfat.com

کی طرف سے بھی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کے سامنے پریس کی تبدیلی کی اجازت کے لئے ڈیکلریشن داخل کیا تھا۔ اس درخواست کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ عام حالات میں یہ اجازت چند گھنٹوں کے اندر دے دی جاتی ہے اور اخبار تبدیلی مطبع کے باوجود بلا روک ٹوک اپنی اشاعت جاری رکھتے ہیں۔ اس واقعہ سے تھوڑا عرصہ قبل حکومت نے ایک نئے حکم کے تحت پریس ڈیپارٹمنٹ کے متعلقہ حکام کو یہ اختیارات دے دیئے تھے کہ وہ ایسی درخواستوں کو تین ماہ تک روک سکتے ہیں جس کی وجہ سے اخبار کو تین ماہ تک اشاعت معطل کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ دوسری طرف انہیں پریس قوانین کے تحت اگر کوئی اخبار دو ماہ تک شائع نہیں ہوتا تو اس کے ناشر سے اشاعت کا حق چھین لیا جاتا ہے اور اسے دوبارہ نئی درخواست دینی پڑتی ہے اور یہ ساری کارروائی از سرنو شروع ہو جاتی ہے۔

کاروباری معاہدہ

جب ''نوائے وقت'' کے مالکان کسی دوسرے پریس میں اخبار چھپوانے کی اجازت حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو انہوں نے ایک اور شخص سے کاروباری معاہدہ کر لیا جسے ''جہاد'' کے نام سے ایک اخبار شائع کرنے کی قانونی اجازت حاصل تھی۔ چند روز بعد یہ اخبار مطبوعات نوائے وقت کے زیر اہتمام شائع ہونا شروع ہو گیا اگرچہ اس کا قانونی حق ڈیکلریشن کے اصل مالک کے ہاتھ ہی میں رہا۔

کچھ عرصہ بعد جب پریس کے مالک نے جہاد چھاپنے سے انکار کر دیا اور پریس کی تبدیلی کے لئے درخواست دی گئی تو حکومت نے اس بہانہ کی آڑ لے کر ''جہاد'' کے طابع و ناشر کو اطلاع دی کہ ایک ملحقہ ضلع سے اسی نام کا اخبار شائع ہوتا ہے اس لئے ایک نام سے دو اخبارات کی اشاعت کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ یہاں یہ ذکر خالی از دلچسپی نہیں ہو گا کہ ان میں سے ایک اخبار کے ادارہ مطبوعات نوائے وقت کے زیر اہتمام اشاعت سے قبل یہ دونوں اخبار بیک وقت شائع ہوتے رہے تھے اور سارے پاکستان میں اس اصول پر عمل ہو رہا ہے کہ ایک نام سے متعدد اخبارات کی اجازت دی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ مختلف

Marfat.com

اصلاح سے شائع ہوں۔

دریں اثناء ''نوائے وقت'' کی اشاعت کو ملتوی ہوئے دو مہینے گزر چکے تھے اور ٹیکنیکل وجوہ کی بنا پر اصل ناشرین کے حقوق خود بخود ختم ہو گئے۔ مالکان نے فی الفور اسی نام سے اخبار کی اشاعت کی اجازت کے لئے مجسٹریٹ کے سامنے ڈیکلریشن داخل کر دیا لیکن اس دفعہ اس بنا پر اجازت نہ دی گئی کہ ایک شریف آدمی نے اس سے پہلے ''نوائے وقت'' کے نام سے اخبار نکالنے کی اجازت کے لئے ڈیکلریشن داخل کر رکھا ہے۔ اغلباً یہ درخواست ''نوائے وقت'' کے اصل مالکان سے چند گھنٹے پیشتر داخل کی گئی ہوگی۔

جو پہلے آئے وہی پائے کے اصول کے مطابق حکومت نے نئے آدمی کی درخواست منظور کر لی اور ادارہ مطبوعات نوائے وقت کی درخواست مسترد کر دی گئی۔ نہ صرف حکومت نے اس سلسلے میں بڑی عجلت سے کارروائی کی بلکہ چند دنوں کے اندر رسمی کارروائی کے سارے مراحل طے کر لئے گئے اور نئے درخواست کنندہ کو بڑی حفاظت سے اس منزل تک پہنچا دیا گیا کہ وہ اخبار نکال سکتا تھا۔ یاد رہے کہ اسی اجازت کے سلسلے میں اصل مالکان کا معاہدہ دو ماہ سے زائد عرصے کے لئے کھٹائی میں ڈال دیا گیا۔ تاہم انتھک ادارہ مطبوعات نوائے وقت نے عنانِ ہمت ہاتھ سے نہ چھوڑی۔ انہوں نے ایک اور معزز آدمی سے کاروباری معاہدہ کر لیا اور ''نوائے پاکستان'' کے نام سے ایک تیسرا اخبار شائع کرنے کے حقوق حاصل کر لئے۔ انہوں نے عدالت میں بھی یہ اپیل دائر کی کہ حکومت نے جس شریف آدمی کو ''نوائے وقت'' کے نام سے اخبار نکالنے کی اجازت دی ہے اسے اس کی اشاعت سے روک دیا جائے۔

متعلقہ شریف آدمی نے عدالت کے سامنے اپنے بیان میں اس بات کا اعتراف کیا کہ ''نوائے وقت'' اس کی ملکیت نہیں بلکہ ادارہ مطبوعات نوائے وقت کی ملکیت ہے۔ اس پر عدالت نے ''نوائے وقت'' کی اپیل منظور کر لینے کا فیصلہ کیا اس طرح عدالت نے اس بات پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ ''نوائے وقت'' اصل مالکان یعنی ادارہ مطبوعات نوائے وقت کی ملکیت ہے۔ لیکن ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اخبار شائع کرنے کا حق اسی شریف آدمی کو حاصل رہا جسے ڈیکلریشن دیا گیا تھا۔

Marfat.com

ادارہ کے دوسرے اخبارات

ادارہ مطبوعات نوائے وقت کے زیر اہتمام اس اخبار کے علاوہ ہفت روزہ ''قندیل'' اور ادبی ماہنامہ ''مخزن'' کے نام سے دو اور پرچے بھی شائع ہوتے تھے۔ جب حکومت نے پریس ضبط کر لیا اور روزنامہ ''نوائے وقت'' کی اشاعت کی اجازت روک لی تو حکومت کی طرف سے بڑی سادگی کے ساتھ مالکان کو اطلاع دی گئی کہ ہفت روزہ اور ماہنامہ کی اشاعت کی اجازت دی جاسکتی ہے چنانچہ یہ اجازت دے دی گئی۔ حالانکہ تینوں معاملات میں یکساں مراحل طے ہونے تھے۔

یہاں یہ ذکر غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بے داغ شہرت کے اس قدیم اخبار کو آمدنی کے لحاظ سے کتنا عظیم نقصان برداشت کرنا پڑا ہوگا۔ دنیا کو یہ بتانا ہی کافی ہوگا کہ بالعموم روشن خیال اور آزادی پسند جمہوری دنیا کے کسی تاریک کونے میں کچھ ایسی چیزیں بھی نظر آجاتی ہیں جن کے باعث ہمارے سر شرم کے مارے جھک جاتے ہیں''۔

حقیقت یہ ہے کہ حمید نظامی کو جھکانے اور لچکانے کی خواہش رکھنے والے حکمران خود ٹوٹ کر بکھر گئے اور ''نوائے وقت'' دوبارہ حمید نظامی کی ادارت میں پہلے سے کہیں زیادہ جاہ و جلال اور وقار کے ساتھ نکلا۔

❖

Marfat.com

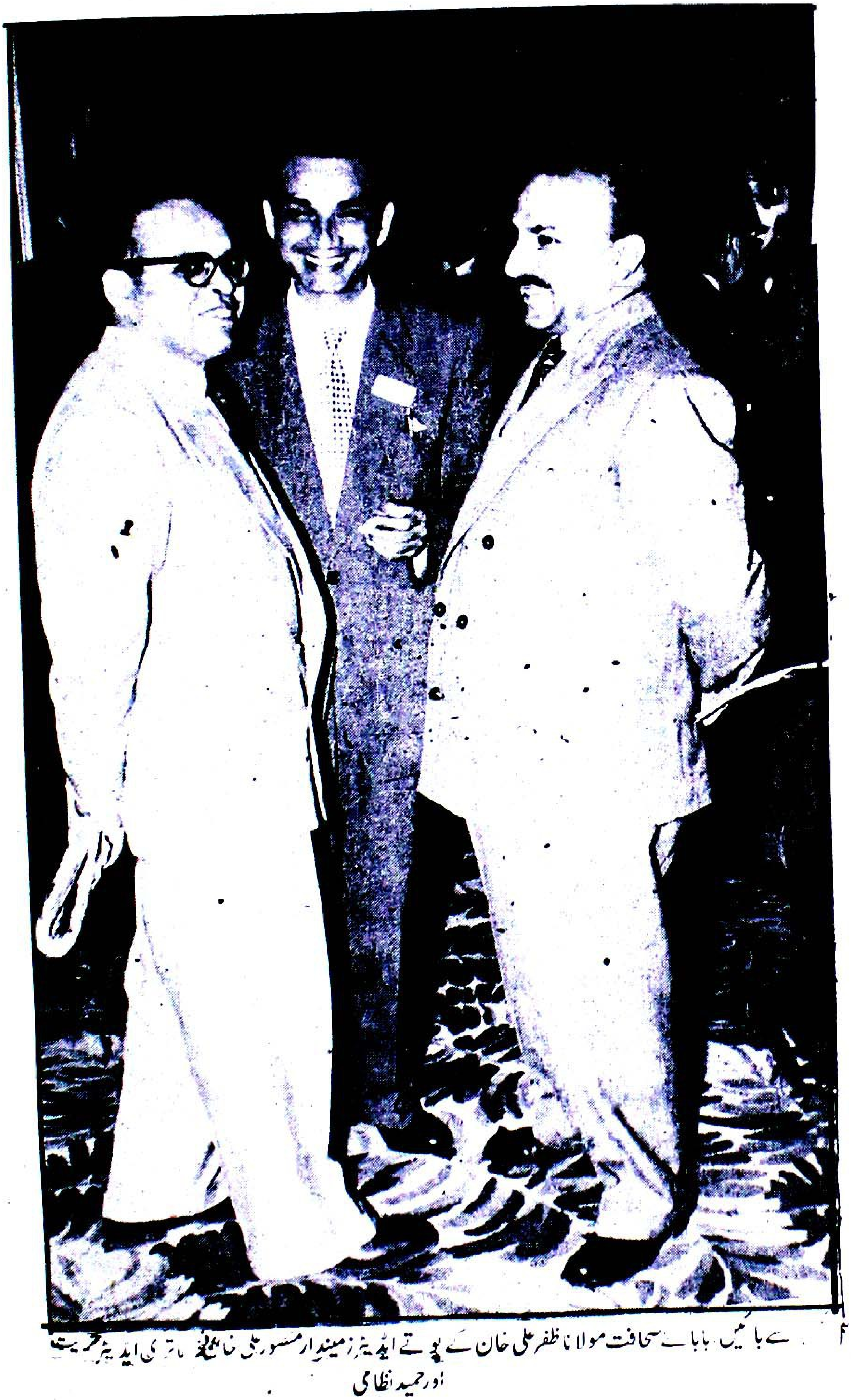

۴ ے بائیں بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان کے پوتے ایڈیٹر زمیندار منصور علی خان مجید نظامی ایڈیٹر حریت
اور حمید نظامی

Marfat.com

ناانصافیوں کے خلاف تیغ بے نیام

☆ بدنام زمانہ موچی والا کیس کی رپورٹنگ

☆ اخبارات کے بارے میں تعزیری قوانین پر احتجاج

☆ سی ایم ایچ راولپنڈی میں نظر بند غفار خان سے ملاقات

Marfat.com

حمید نظامی ایک مثبت سوچ کے حامل صحافی تھے۔ وہ حکومت کے غلط اقدام اور ایسی پالیسیوں پر تنقید کرنے سے کبھی نہ چوکتے تھے جنہیں وہ ملک وقوم کے مفاد کے منافی سمجھتے تھے مگر ان کی تنقید محض مخالفت برائے مخالفت پر نہیں بلکہ دیانت پر مبنی ہوتی تھی۔ اور وہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ ان کی تنقید سے قوم میں کسی قسم کی بددلی کے رجحانات پیدا نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا انداز صحافت ایسے ایڈیٹروں سے قطعی طور پر مختلف تھا جو تن آسانی اور پر عیش زندگی میں مگن سماج میں ہونے والی ناانصافیوں اور مظالم کو معمول کی بات سمجھ کر درخور اعتناء نہیں سمجھتے اور اس کے مقابلے میں اعلیٰ سطح کے قومی مسائل ہی پر اپنی رائے دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ حمید نظامی نے چونکہ خود اپنی زندگی میں کئی ایک ناانصافیوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا ہوا تھا اس لئے وہ سماج میں غریب اور بے نوا انسانوں کے ساتھ ہونے والے مظالم اور زیادتیوں پر تڑپ اٹھتے تھے اور اس سلسلے میں ان کی انگلیاں ہمیشہ معاشرے کی نبض پر رہتی تھیں۔ جہاں بھی ظلم وزیادتی کی بھنک ان کے کانوں میں پڑتی وہ بذات خود اپنے نمائندوں کو بات کی تہہ تک پہنچ کر تفصیل سے خبر دینے کی ہدایت دیا کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ضلع جھنگ کے نواحی قصبے موچی والا میں پولیس کے ظلم و تشدد کی داستان ہلکے پھلکے انداز میں ان کے کانوں میں پڑی تو انہوں نے جھنگ میں اپنے نمائندہ خصوصی عرفان چغتائی (جن کو حمید نظامی نے بطور خاص جھنگ سے بلا کو ''نوائے وقت'' لاہور سے منسلک کیا) کو ٹیلی فون پر ہدایت کی کہ وہ موچی والا کیس کی تفصیلات سے انہیں آگاہ کریں۔ عرفان چغتائی نے اگلے روز انہیں ٹیلی فون پر اطلاع دی کہ موچی والا میں ہو کا عالم ہے اور پولیس نے اس قصبے کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ گاؤں کا کوئی شخص زبان

Marfat.com

کھولنے کے لئے تیار نہیں۔ اس اطلاع پر حمید نظامی بے چین ہو گئے اور لاہور سے اپنے ایک عزیز دوست نامور ادیب و خطیب او ہفت روزہ ''چٹان'' کے ایڈیٹر آغا شورش کاشمیری کے ہمراہ بذریعہ کار موچی والا پہنچ گئے جہاں ضلع جھنگ کے پولیس حکام میں ان کی موچی والا آمد کی خبر سن کر کھلبلی مچ گئی مگر حمید نظامی کسی خوف و خطرے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے موچی والا گئے۔ وہاں ملنے والے لوگوں کو حوصلہ اور دلاسہ دے کر حقائق معلوم کرتے رہے اور رات کو واپس لاہور آ کر اگلے روز انہوں نے روز نامہ ''نوائے وقت'' کے صفحہ اول پر موچی والا کے روح فرسا واقعہ کی جو تفصیلی خبر شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کی' اس نے پورے ملک کی انتظامیہ کو ہلا کر رکھ دیا۔ ان دنوں یہ بڑی عجیب بات جانی گئی کہ ملک کے صف اول کے اخبار کا ایڈیٹر ایک اہم واردات کی رپورٹنگ کرنے خود موقع واردات پر پہنچ گیا۔ مگر عوام میں حمید نظامی کی اس جرأت اور دلیری پر زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا۔ موچی والا کے بارے انہوں نے جو خبر ''نوائے وقت'' میں طبع کی وہ یہ تھی:

چک 232 ضلع جھنگ کا قبرستان کی طرح سنسان گاؤں پنجاب کے
دامن پر ایک افسوسناک دھبہ ہے
وزیر اعلیٰ پنجاب سے انسانیت کے نام پر اپیل
----ایڈیٹر کے قلم سے----

جھنگ سے 14 میل ادھر لائلپور جھنگ روڈ پر تھانہ موچی والا سے آٹھ میل دور اندر کی طرف چک نمبر 232 نامی گاؤں میں شہر خموشاں کا سا منظر نظر آتا ہے۔ یہ وہی گاؤں ہے جہاں 8 جولائی کو ایک تھانیدار ایک جھگڑے میں مارا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں اس گاؤں کے باشندوں نے ایک مقامی باشندے مکھن کی معرفت لاہور ہائیکورٹ میں ایک درخواست گزاری ہوئی ہے۔ ہمارا ہرگز منشا نہیں کہ مقدمہ کے بارے میں کچھ کہیں اور یہ بات ہمارے گمان میں بھی نہیں آ سکتی کہ ہم آنریبل ہائیکورٹ میں زیر سماعت ایک مقدمہ کی کارروائی پر اثر انداز ہونے کی کوشش کریں مگر مقدمہ کی کارروائی سے بالکل قطع نظر اس اخبار کے ایڈیٹر نے اس گاؤں میں اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا اور اپنے کانوں سے جو کچھ سنا ہے یہ سب کچھ دیکھنے اور

Marfat.com

سننے کے بعد ایڈیٹر اپنا فرض محسوس کرتا ہے کہ وہ اس صوبے کے وزیر اعلیٰ میاں ممتاز محمد خان دولتانہ، اس ملک میں نظم و نسق کے انچارج وزیر داخلہ میاں مشتاق احمد گورمانی اور اس ملک کے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کی خدمت میں یہ معروضات پیش کرے۔

ایڈیٹر نے اس گاؤں میں اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا اور اپنے کانوں سے جو کچھ سنا ایک مسلمان اور پاکستانی کی حیثیت سے اس کا سر شرم کے مارے جھک گیا ہے۔ اس وقت بھی جب کہ چودہ گھنٹے بعد وہ یہ سطور لکھ رہا ہے کوشش کے باوجود وہ اس احساس ندامت پر غلبہ نہیں پا سکا۔

میاں ممتاز محمد خان دولتانہ اس اخبار کے ایڈیٹر کو اچھی طرح جانتے ہیں، اپنی بارہ سالہ صحافتی زندگی میں اس نے ایک سطر بھی جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں لکھی۔ آج بھی وہ جو کچھ لکھ رہا ہے اپنی ذمہ داری کے پورے احساس کے ساتھ لکھ رہا ہے۔ مگر وہ رنج اور افسوس کے ساتھ اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ اپنی بارہ سالہ صحافتی زندگی میں اس نے اپنی آنکھوں سے بر سر موقع کبھی اتنا اذیت دہ منظر نہیں دیکھا، نہ بر سر موقع کبھی ایسی المناک داستانیں سنیں۔

ایڈیٹر نے اپنے کانوں سے بوڑھوں اور نوجوانوں کو چشم گریاں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ گاؤں کے مردوں کو زمین پر لیٹنے کا حکم دیا گیا اور عورتوں کے کپڑے اتار کر انہیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ مردوں کے سامنے رقص عریاں کریں۔ ایڈیٹر نے ایک سفید ریش بوڑھے کو بچوں کی طرح بلک بلک کر روتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ یہ کہہ رہا تھا کہ اسے گزشتہ دس روز سے کچھ پتہ نہیں کہ اس کے بیوی بچے کہاں ہیں؟ ایڈیٹر نے ایک پچپن سالہ بوڑھی عورت کو سسکیاں بھر بھر کر یہ فریاد کرتے ہوئے سنا ہے کہ اس کی بارہ سالہ کنواری لڑکی پر ہاتھ ڈالا گیا۔ ایڈیٹر نے اپنی آنکھوں سے ایک نوجوان لوہار عورت کو دیکھا ہے جو روئے جا رہی تھی۔ ایک ہاتھ سے مارے شرم کے سفید چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپنے کی کوشش کر رہی تھی اور یہ فریاد کر رہی تھی کہ امن کے محافظوں نے اس کی عصمت لوٹی۔ اس ایڈیٹر نے اپنے کانوں سے لوگوں کو بیک آواز یہ کہتے

Marfat.com

ہوئے سنا کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ حیا سوز منظر دیکھا کہ ماں اور بیٹے دونوں کو ننگا کر کے ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑا کر دیا گیا اور سنگین کی نوک سے بیٹے کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنا اپنی ماں کے منہ میں ڈالے۔

اس ایڈیٹر نے اپنی آنکھوں سے اس گاؤں کے مکان دیکھے ہیں جنہیں دیکھ کر گمان ہوتا تھا کہ غنیم کی فوج نے ابھی ابھی اس گاؤں کو تاراج کیا ہے۔ اس گاؤں کی کل آبادی کم و بیش سولہ سو افراد پر مشتمل ہے۔ ان میں سے دو تین سو مہاجر اور بارہ تیرہ سو مقامی ہیں۔ جھگڑا 8/7 جولائی کو ہوا اور مہاجر آبادی اس میں قطعاً محفوظ رہی مگر مقامی آبادی 7 تاریخ سے گاؤں سے بھاگی ہوئی ہے۔ 17 جولائی کی شام کو جب یہ ایڈیٹر اس گاؤں میں پہنچا تو بارہ تیرہ سو کی مقامی آبادی میں سے صرف 40/30 افراد وہاں موجود تھے' باقی ساری مقامی آبادی اس وقت تک گاؤں سے غائب تھی۔ سادہ دل دیہاتی سخت تکلیف کے عالم میں بھی اپنے آباؤ اجداد کے گھر چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے' اتنی بڑی تعداد میں مردوں' عورتوں' بچوں' جوانوں اور بوڑھوں کے اپنے گھر بار چھوڑ کر بھاگنے (اور اس طرح بھاگنے کہ لوگ تن کے کپڑوں میں بھاگ کھڑے ہوئے اور جوتے لینا بھی بھول گئے) سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دہشت کا کیا عالم ہوگا؟ دس دن بعد بھی بھاگے ہوؤں میں سے ایک کنبہ بھی گاؤں میں واپس نہیں آیا تھا۔ اور مقامی آبادی کے گھر اسی طرح ویران پڑے تھے۔ گاؤں کے امام مسجد کے لڑکے نے جو جھنگ کالج میں فرسٹ ایئر کا طالب علم ہے' ایڈیٹر کو بتایا کہ ایک عورت بیماری سے مرگئی۔ خوف کا یہ عالم تھا کہ دو دن کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ اس کے کفن دفن کے لئے باہر نکلے۔

چک 232 کے سادہ دل ان پڑھ اور سیاسی شعور سے قطعاً عاری باشندے سہمے ہوئے ہیں ان کے 3/4 گاؤں میں قبرستان کی طرح ہو کا عالم ہے۔ خدا جانے یہ لوگ کہاں کہاں پناہ گزین ہیں؟ گزشتہ دس دن میں مسلم لیگ یا اپوزیشن کا کوئی لیڈر اس گاؤں میں نہیں پہنچا اور کسی نے ان سے یہ نہیں پوچھا کہ تم پر کیا بیتی؟ (غالباً پہلا اور واحد سیاسی کارکن جس نے 18 جولائی کی شام تک باہر سے اس گاؤں میں جانے

Marfat.com

کی تکلیف گوارا کی صوبہ سرحد کی عوامی لیگ کا صوبہ بدر کارکن غلام محمد خان لوند خوڑ ہے)

ایڈیٹر انسانیت اور اسلام کے نام پر پنجاب کے وزیراعلیٰ میاں ممتاز دولتانہ سے اپیل کرتا ہے کہ وہ سب کام چھوڑ کر اپنی اولین فرصت میں **چک 232** جائیں' اس گاؤں کے دہشت زدہ باشندوں کو تلاش کریں کہ وہ کہاں کہاں چھپے ہوئے ہیں؟ انہیں تسلی دیں اور اس وقت تک لاہور واپس نہ آئیں جب تک ایک ایک کنبہ کو اپنے گھر میں آباد نہ کرلیں۔ اس گاؤں کے خالی مکان جو کھلی ہوئی قبروں کی طرح ہولناک ہیں پنجاب کے دامن پر ایک بہت بڑا دھبہ اور قوم کے ضمیر پر ایک بہت بڑا بوجھ ہیں۔ صوبہ کے وزیراعلیٰ کی حیثیت سے میاں ممتاز دولتانہ کا فرض ہے کہ وہ اس دھبہ کو دھوئیں اور اس بوجھ کو اتاریں۔ اس وقت کوئی کام اس سے زیادہ فوری اہمیت کا حامل نہیں''۔

تیزی سے بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ ساتھ صحافت بھی ارتقائی منازل کی طرف گامزن ہے۔ صحافیوں کو پہلے سے کہیں زیادہ سوچ' فکر اور آمد و رفت کے وسائل حاصل ہیں مگر کیا آج کوئی ایسا اخبار نویس مل سکتا ہے جو ایک موقر جریدے کا ایڈیٹر اور صف اول کا اخبار نویس ہوتے ہوئے اپنے دل میں انسانیت کا اس قدر درد رکھتا ہو کہ موچی والا کیس ایسے واقعات پر اس کا دل اس حد تک تڑپ رکھتا ہو کہ وہ خود موقع پر جا کر خطرات مول لے کر حقائق معلوم کر کے اپنے قلم سے رپورٹ لکھ کر ارباب اختیار کو جھنجھوڑے؟۔

❖

Marfat.com

قومی صحافت کی تاریخ میں یہ حقیقت ہمیشہ جگمگاتی رہے گی کہ حمید نظامی نے پاکستان میں بانیء پاکستان حضرت قائداعظمؒ کے جمہوری تصورات کو عملی شکل دینے کی جدوجہد کرنے کے ساتھ ساتھ صحافت کی آزادی کے لئے کبھی صرف نظر نہیں کیا۔ آزادیء صحافت ان کی اولین ترجیحات میں شامل رہی۔ قیام پاکستان کے چند ہی برس بعد جب ملک میں اخبارات کی آزادی کو ارباب اختیار نے اپنے لئے صرف اس بات پر خطرہ محسوس کیا کہ ان کی زیادتیوں' ناانصافیوں' اقربا پروریوں اور ریشہ دوانیوں کا اخبارات نے پردہ چاک کرنا شروع کر دیا تھا تو مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی طرف سے مختلف قسم کے قانون نافذ کر کے اخبارات پر پابندیاں عائد کرنے کی راہ ہموار کی جانے لگی۔ اس صورت حال کو بھلا حمید نظامی کب برداشت کر سکتے تھے جب انہوں نے اخبارات کے گرد قوانین کا گھیرا تنگ ہوتے ہوئے دیکھا تو اس مقصد کے لئے انہوں نے ملک بھر کے ایڈیٹروں اور کارکن صحافیوں سے رابطے کر کے انہیں آزادیء صحافت کی جدوجہد میں حصہ لینے کے لئے آمادہ کیا اور پھر انہوں نے اسی حوالے سے مدیران جرائد اور اخبارنویسوں کی طرف سے ہونے والی کارروائیوں کی تفصیلات کے لئے اپنے اخبار کے صفحات وقف کر دیئے۔ ان دنوں ''آزادیء صحافت'' کے نکتہ نظر سے اس قسم کی خبریں کسی اخبار کے صفحہ اول پر نمایاں کر کے شائع کرنا بڑے دل گردے کا کام تھا مگر حمید نظامی نے ایسی خبریں دلیری اور بیباکی سے شائع کیں۔

20 جنوری 1953ء کو حمید نظامی کا ''نوائے وقت'' ملک کا واحد اخبار تھا جس نے کراچی کے بیس ایڈیٹروں کا بیان اخبار کی شہ سرخی بنایا۔ اس بیان کا ڈسپلے اس طرح تھا:

Marfat.com

''اخبارات سے متعلق تعزیری قوانین پر صحافیوں کے مشورے سے نظر ثانی کی جائے''۔

''ان قوانین کو آزاد ملک کی آزادیٔ صحافت کی ضرورتوں کے مطابق بنایا جائے۔ سکیورٹی ایکٹ اور صوبائی سیفٹی ایکٹ کے تحت اخبارات کے خلاف کارروائی نہ کی جائے۔ کراچی کے بیس ایڈیٹروں کا حکومت سے مطالبہ۔

اسی طرح آزادیٔ صحافت کی جنگ کو تیز تر کرنے کے لئے 21 جنوری 1953ء کو حمید نظامی نے جہاں کراچی ڈیٹ لائن کے ساتھ یہ دو کالمی خبر نمایاں طور پر شائع کی۔

''پریس تحقیقاتی کمیشن کا قیام جلد از جلد عمل میں لایا جائے۔ پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس کی قرارداد''۔

وہاں ایک سنگل کالم خبر یہ بھی تھی:

''کونسل آف پاکستان ایڈیٹرز کا عام اجلاس ملتوی''۔

اور 23 جنوری 1953ء میں یہ دو کالمی خبر تھی:

''اخبارات کو خبریں حاصل کرنے کی پوری آزادی ہونی چاہئے۔ پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلٹس کی عاملہ کی قرارداد''۔

یہ خبر بھی کراچی ڈیٹ لائن سے تھی۔

اور اس خبر کے اگلے روز 24 جنوری 1953ء کو حمید نظامی نے ''صحافیوں کا مطالبہ'' کے عنوان سے جو جرأت مندانہ اداریہ لکھا اس نے ایوان اقتدار کے مکینوں کو بھنا کر رکھ دیا۔ مگر عوام اور بالخصوص صحافی برادری اور اہل قلم و قانون دان حلقوں میں اس کی بے حد پذیرائی ہوئی۔ اس میں حمید نظامی نے جہاں اور بہت کچھ سپرد قلم کیا وہاں یہ بھی لکھا:

''پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلٹس نے جو مطالبہ کیا ہے اس میں انہیں ملک کے تمام اخبارات کی بھی تائید حاصل ہے۔ ان میں حزب اختلاف کے اخبارات کے ساتھ وہ سارے اخبارات بھی شامل ہیں جو برسر اقتدار حکومت کے ترجمان اور موید ہیں۔ یہ ہمہ گیر مطالبہ اور اس کی ہمہ جہتی تائید و حمایت اس بات کی متقاضی ہیں کہ حکومت ان پریس قوانین کے متعلق اپنے موجودہ رویئے پر نظر ثانی

Marfat.com

کرے اور ان کی جگہ ایسے پریس قوانین نافذ کرے جو آزادیء رائے کے ضامن اور جمہوریت کے آئینہ دار ہوں''۔

اواخر 1953ء میں حمید نظامی کے ہمدم دیرینہ امجد حسین سید میجر ہو چکے تھے اور چکلالہ میں تعینات تھے کہ ایک شام حمید نظامی اور آغا شورش کاشمیری لاہور سے اپنی گاڑی میں وہاں پہنچے۔ کسی اطلاع کے بغیر دونوں کے اس طرح اچانک راولپنڈی آنے پر سید امجد حسین نے حیرانگی سے پوچھا ''نظامی صاحب خیریت ہے؟''۔ حمید نظامی نے ان کے قریب آ کر رازدارانہ انداز میں سرگوشی کی: ''شاہ جی ہم خان عبدالغفار خان کو ملنے آئے ہیں''۔ ''مگر خان عبدالغفار خان یہاں کہاں؟''۔ امجد حسین نے پہلے سے زیادہ حیرانگی سے پوچھا۔

اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے حمید نظامی گویا ہوا۔

''شاہ جی، وہ بیمار ہیں اور آج کل راولپنڈی کے سی ایم ایچ میں داخل ہیں۔ سمجھ گئے...... ہم دونوں انہی سے ملنے آئے ہیں، آپ ملوائیں......''۔

''مگر میرا کیا تعلق ہے، میں کوئی سی ایم ایچ میں ڈاکٹر ہوں''۔

''کوئی داؤ تو لگا سکتے ہیں نا''۔ حمید نظامی نے کہا۔

'داؤ کیسے لگ سکتا ہے میرا کوئی واسطہ نہیں ہسپتال سے''۔

امجد حسین نے تھوڑا رک کر پھر کہا ''آپ یہاں آرام کریں آج رات باتیں کریں گے صبح میں ہسپتال جا کر پتہ کروں گا۔ آپ آئے ہیں کچھ تو کرنا ہو گا مگر کام بڑا ٹیڑھا ہے، باچا خان تو حکومت کی سخت نگرانی میں ہوں گے، پھر بھی صبح دیکھا جائے گا جو اللہ کو منظور ہوا......''۔

اگلی صبح سید امجد حسین میجر کی فل وردی میں سی ایم ایچ چلے گئے۔ انہیں تو وہاں کوئی کام نہ تھا۔ ادھر ادھر نظریں دوڑاتے آفیسر وارڈ کی طرف جا نکلے تو دیکھا ایک کمرے کے باہر پولیس کا پہرہ لگا ہوا ہے۔ وہ چونکہ وردی میں تھے، انہوں نے مخصوص انداز میں پہرے پر کھڑے سپاہی سے کہا۔ ''آپ یہاں کھڑے ہیں کیا بات ہے؟''۔ پولیس کا سپاہی تھا فوراً بولا ''سر اس کمرے میں خان عبدالغفار خان صاحب ہیں......'' ابھی شاید وہ کچھ اور کہتا کہ میجر امجد حسین ''آل رائٹ'' کہتے ہوئے آگے نکل گئے۔ ان کا پہلا داؤ تو چل گیا تھا کہ انہوں نے یہ بات کنفرم کر لی تھی کہ خان صاحب کمبائنڈ ملٹری ہسپتال میں ہیں اور فلاں کمرہ میں زیر علاج ہیں۔ ابھی میجر

Marfat.com

امجد حسین آفیسر وارڈ کے برآمدے سے باہر ہی نکلے تھے کہ ایک نسوانی آواز نے انہیں چونکا دیا۔

''پاء جی۔ پاء جی''۔

انہوں نے فوراً آواز کی سمت پیچھے مڑ کر دیکھا تو فوجی وردی میں ملبوس ایک شخص نے انہیں بتایا کہ آپ کو انہوں نے آواز دی ہے۔ امجد حسین سید نے دیکھا تو ایک نرس ان کی طرف دوڑتی چلی آ رہی تھی۔ قریب آتے ہی انہوں نے پوچھا ''زری تم کہاں؟''۔

''پاء جی میری یہاں پوسٹنگ ہوگئی ہے''۔

زری، سید امجد حسین کے ایک عزیز دوست کی خواہر نسبتی تھی اور ان کے آپس میں خاندانی تعلقات تھے۔

امجد حسین جب زری سے بات کر رہے تھے تو انہیں معاً خیال آیا کہ ان کا دوست حمید نظامی کتنا قسمت کا دھنی انسان ہے کہ صدق دلی سے جو ارادہ کرتا ہے، خدا اسے پورا کرنے کے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ جب زری ان سے گھر والوں کی خیریت معلوم کر کے رخصت ہونے لگی تو امجد حسین نے تمام خیالات کو جھٹکا دے کر ذہن سے نکالا اور کہا: ''زری کہاں ڈیوٹی ہے؟''۔

''آفیسر وارڈ کے ایک کمرے میں کوئی خان صاحب داخل ہیں باہر پولیس کا پہرہ ہے، وہاں رات کو میری ڈیوٹی ہوتی ہے''۔

امجد حسین نے سنا تو اندر ہی اندر بے حد خوش ہوئے اور پوچھا: ''تمہاری ڈیوٹی کب شروع ہوتی ہے؟''۔

''شام سے رات بارہ ایک بجے تک، بڑی مصیبت ہے''۔

''اچھا زری بات یہ ہے کہ ہمارے دوست لاہور سے آئے ہیں۔ انہوں نے خان صاحب کو ملنا ہے۔ اس دوران میں ان کو لے کر آؤں گا''۔

''لیکن پاء جی۔ پہرہ......''۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں یہ کام کرنا ہے''۔

''آپ ساتھ ہوں گے؟'' زری۔

''ہاں میں ساتھ آؤں گا''۔ امجد حسین۔

''یونیفارم میں ہوں گے؟'' زری۔

Marfat.com

''ہاں ہاں بے فکر رہو میں یونیفارم میں ہوں گا''۔ امجد حسین ہسپتال سے سیدھے اپنی قیام گاہ پہنچے جہاں مجید نظامی اور آغا شورش کاشمیری بے چینی سے ان کے منتظر تھے۔

حمید نظامی انہیں دیکھتے ہی بولے۔

''شاہ جی آپ کا چہرہ کہہ رہا ہے' کام بن گیا''۔

''آپ دونوں کو مبارک ہو...... مگر رات بارہ بجے چلنا ہے''۔

چنانچہ پونے بارہ بجے رات حمید نظامی' آغا شورش کاشمیری اور امجد حسین سی ایم ایچ گئے اور انہوں نے وہاں کے آفیسر وارڈ کے کمرے میں خان عبدالغفار خان سے کوئی اڑھائی گھنٹے باتیں کیں۔

حمید نظامی کو اپنے صحافیانہ فرائض کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ صحافت کے ضابطہ اخلاق کا بھی پورا پورا احساس تھا۔ انہوں نے ایک اخبار نویس کی حیثیت سے نظر بند خان عبدالغفار خان سے ملاقات کی راہ تو نکال کر اس میں کامیابی بھی حاصل کر لی مگر انہوں نے خان عبدالغفار خان کے ساتھ ہونے والی گفتگو کو اپنے سینے میں امانت کی طرح محفوظ رکھا۔ اور اس ملاقات کی تفصیلات اس وقت شائع کیں جب خان عبدالغفار خان کو باقاعدہ طور پر رہا کر دیا گیا۔ چنانچہ ملاقات سے حمید نظامی' شورش کاشمیری اور خان عبدالغفار خان کے مابین ہوالی بات چیت ''نوائے وقت'' کے 4 جنوری **1954**ء میں ادارتی صفحہ پر ''خان عبدالغفار خان سے ایک ملاقات'' کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اس پر حمید نظامی نے اپنا نام نہیں دیا تھا بلکہ اس اہم ترین سٹوری کو ''نوائے وقت کے نمائندہ خصوصی کے قلم سے'' منسوب کیا تھا۔ خان عبدالغفار خان سے اس تفصیلی انٹرویو میں خان صاحب نے حمید نظامی کو بتایا کہ انہوں نے جیل میں جو اخبار مطالعہ کے لئے مانگا وہ ''نوائے وقت'' تھا۔ انہوں نے بابائے قوم حضرت قائداعظمؒ سے اپنی ملاقات کا بھی تذکرہ کیا اور یہ بھی کہا کہ دورہ سرحد کے موقع پر ان کی حضرت قائداعظمؒ سے ملاقات طے تھی مگر بعض حاسدوں نے یہ ملاقات نہ ہونے دی۔ جبکہ حمید نظامی کے ایک سوال کے جواب میں خان صاحب نے کہا کہ کشمیر کا پاکستان سے ملنا ضروری ہے۔ ایسا ہونا چاہئے۔ حمید نظامی نے خان صاحب سے براہ راست سوال کیا تھا کہ پختونستان کا کیا قصہ ہے؟ اس کے جواب میں خانِ عبدالغفار خان نے کہا کہ اس سے میرا مطلب یہ تھا کہ ہمارے صوبے کا کوئی نام نہیں اسی نام

Marfat.com

کور کھ لیں۔ بس اس سے زیادہ پختونستان کا کچھ مطلب نہیں تھا۔

اسی دوران رات کا کھانا آ گیا۔ حمید نظامی اور شورش کاشمیری اٹھنے لگے تو خان عبدالغفار خان نے کھانے پر روک لیا۔ گفتگو تقریباً اڑھائی گھنٹے جاری رہی۔ اٹھتے اٹھتے حمید نظامی نے کہا' خان صاحب آپ پرانی باتیں بھول جائیں اب ملک کی خدمت کریں۔ اس پر خان عبدالغفار خان نے کہا کہ اللہ کرے میں اس کی خدمت کر سکوں۔ پھر تلخی کی بات تو میرا مسلک ہی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کے خلاف تلخی دل میں رکھوں۔ اس کے ساتھ ہی خان صاحب نے یہ بھی کہا کہ پنجاب اور سرحد کے لوگوں کو آپس میں زیادہ سے زیادہ تعلقات پیدا کرنے چاہئیں۔

Marfat.com

جب جمہوریت کی صف لپیٹ دی گئی

☆ مارشل لاء سے رزم آرائی

☆ قلم کی دہشت

☆ بنیادی حقوق کی جان توڑ جدوجہد

Marfat.com

اردن کے دارالحکومت عمان میں شاہ حسین سے ملاقات حمید نظامی کے ساتھ ایڈیٹر جنگ میر خلیل الرحمن بھی ہیں

Marfat.com

حمید نظامی حریت فکر کے علمبردار اخبار نویسوں کی بین الاقوامی تنظیم انٹرنیشنل پریس انسٹی ٹیوٹ میں اس کے قیام 1952ء ہی میں وابستہ ہو گئے تھے۔اس کے بعد انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے مختلف یورپی اور ایشیائی ممالک میں جو اجلاس ہوئے حمید نظامی نے ان میں پاکستان کی نمائندگی کی۔

8ویں کامن ویلتھ پریس کانفرنس 1955ء (جو آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں ہوئی) میں شریک ہوئے۔اس اجلاس میں انہوں نے پاکستان کے وفد کے قائد کی حیثیت سے تقریر کرتے ہوئے کہا:

''مجھ سے قبل جن اصحاب نے اظہار خیال کیا انہوں نے یہ واضح کر دیا ہے کہ دنیا بھر کے ملکوں میں پریس کی آزادی کو کسی نہ کسی حد تک خطرہ کا سامنا ہے۔لیکن کسی نے بھی اس خطرے کے تدارک کا حل تجویز نہیں کیا۔ یہ خطرہ نوزائیدہ اور پسماندہ ممالک میں دوسرے ترقی پذیر ممالک کی نسبت زیادہ مہیب ہے۔آخر اس کا علاج کیا ہے۔کیا محض یہ نیک خواہش کہ پریس کو آزاد ہونا چاہئے یا ایسی کانفرنسوں میں جو ہر چند برسوں بعد منعقد ہوتی ہیں یہ واضح اعلان کہ اخبارات کو چاہئے کہ اپنی آزادی کو لاحق خطرے کو برداشت نہ کریں۔اس سے قبل ان خطوط پر جو اعلانات کئے جاتے رہے ہیں وہ یکسر بے نتیجہ ثابت ہوئے ہیں۔کم از کم ان ملکوں کی حد تک جو نو آزاد اور پسماندہ ہیں' ان ممالک کی حکومتوں نے ایسے اعلانات کو در خور اعتنا ہی نہیں سمجھا۔ چنانچہ یہ بات بہت ضروری ہے کہ اس سلسلے میں کامن ویلتھ پریس یونین

Marfat.com

ایک مستقل اور مستعد نگران کا کردار ادا کرتی رہے"۔

1961ء میں کامن ویلتھ پریس یونین کا اجلاس کراچی میں ہوا جس کے انتظامات اور پروگرام طے کرنے کے لئے حمید نظامی لندن بھی گئے۔ اس کے بعد یونین کا اجلاس دہلی میں ہوا' دونوں اجلاسوں میں انہوں نے پاکستانی وفد کی قیادت کی۔ نامور صحافی اور ادیب آغا شورش کاشمیری کو حمید نظامی کے ساتھ بیرون ملک جانے کا اتفاق ہوا۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ نظامی صاحب نے انٹرنیشنل پریس انسٹی ٹیوٹ کے دو سالانہ اجلاسوں برلن اور ٹوکیو میں بھی دنیا بھر کے اخبار نویسوں کو یہی تاثر دیا کہ پاکستان اول و آخر جمہوریت چاہتا ہے۔ یہی بات انہوں نے کامن ویلتھ پریس کے مندوبین سے کہی۔ لیکن ان کا ایک جذبہ بڑا ہی قابل تکریم تھا کہ وہ اپنے ملک سے باہر اپنی حکومت' اپنی قوم' اپنی مملکت اور اپنے ملک کی توہین گوارا نہیں کرتے تھے۔ کوئی سوال کرتا تو اس کو ٹکا سا جواب دیتے کہ یہ ہمارا گھریلو مسئلہ ہے ہم بیرونی مداخلت نہیں چاہتے۔

صدر سکندر مرزا نے 8/7 اکتوبر 1958ء کی درمیانی رات کو ملک میں مارشل لاء نافذ کر کے اسمبلیوں کو توڑ دیا حکومتیں برطرف کر دی گئیں۔ 8 اکتوبر 1958ء کے اخبار میں حمید نظامی نے "نوائے وقت" کے صفحہ اول پر جلی حروف میں ایک خبر شائع کی جس کا مقصد قارئین کو یہ باور کرانا تھا کہ ملک میں جمہوریت کی جو صف لپیٹ دی گئی ہے اس پر اگر کوئی تبصرہ یا تجزیہ نظر نہ آئے تو اس کی وجہ ان کو معلوم ہونی چاہئے۔ اس سلسلے میں حمید نظامی نے جو خبر جلی حروف میں صفحہ اول پر شائع کی وہ یہ تھی:

مارشل لاء پر تبصرہ کرنے کی ممانعت

کراچی 7 اکتوبر' چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ایوب خان نے حکم دیا ہے کہ تمام اخبارات نئے احکام جاری ہونے تک مارشل لاء کے نفاذ اور صدر کے احکام پر تبصرے سے احتراز کریں۔

یہ ملک پر نافذ ہونے والا پہلا مارشل لاء تھا جس کا خوف ملکی معاشرے میں محسوس کیا جا رہا تھا۔ ہر شخص خوفزدہ تھا۔ سراسیمگی کے ایسے ماحول میں حمید نظامی کی طرف سے تبصرہ کی ممانعت کی خبر مارشل لاء کے خلاف ایک احتجاجی چیخ اور تازیانہ سے کم نہ تھی جو صرف "نوائے وقت" کے صفحات پر ہی سنی گئی۔

Marfat.com

اس کے چوبیس روز بعد جب جنرل ایوب خان نے سکندر مرزا کو بھی چلتا کر کے عنانِ حکومت خود سنبھال لی تو اس سے اگلے روز مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح نے سکندر مرزا کے ہٹ جانے کا خیر مقدم کیا اور 30 اکتوبر کو حمید نظامی نے محترمہ فاطمہ جناح کے اس بیان پر جو اداریہ لکھا وہ ان کی فہم و بصیرت ہی نہیں جمہوریت سے محبت کا ایسا ثبوت تھا جو صرف ایک ایسے شخص ہی کے ہاں مل سکتا تھا جس نے جمہوریت کو نہ صرف ملک و قوم کے لئے لازم و ملزوم سمجھ رکھا ہو بلکہ ملک میں جمہوری نظام کو برپا کرنے کی جدوجہد ہی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا رکھا ہو۔ حمید نظامی نے خاتون پاکستان محترمہ فاطمہ جناح کے بیان کے حوالے سے جو جرأت مندانہ اداریہ سپرد کیا۔ اس کا مقصد صرف اور صرف یہی تھا کہ جنرل ایوب خان چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو ان کے منہ سے نکلے ہوئے بحالیء جمہوریت کے وعدہ پر پکا کیا جائے اور انہیں باور کرایا جائے کہ انہوں نے جو بات کہی ہوئی ہے انہیں اسے پورا کرنا ہوگا۔ اس لحاظ سے حمید نظامی کا مارشل لاء کے نفاذ کے فوراً بعد یہ پہلا ایسا اداریہ تھا جو کسی اخبار میں شائع ہوا۔ یہ اداریہ اس عنوان کے ساتھ تھا:

خاتون پاکستان، سے اتفاق

...... ''جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ جنرل ایوب خان نے مارشل لاء کے ناظم کی حیثیت سے اپنی پہلی نشری تقریر میں کہا تھا کہ بالآخر ملک میں جمہوریت بحال کر دی جائے گی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنا یہ وعدہ یا اعلان اپنی پہلی پریس کانفرنس میں دہرایا تھا'' ...... ''اس کے کچھ دنوں بعد جنرل ایوب خان نے ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نامہ نگار کو بیان دیتے ہوئے یہ کہا تھا کہ ''ہمیں پھر جمہوریت کی طرف واپس جانا ہے'' ...... ''خدا ان کی رہنمائی کرے اور انہیں یہ توفیق بخشے کہ وہ صراط مستقیم پر گامزن رہتے ہوئے قوم کو منزل مقصود تک پہنچا دیں......''

مارشل لاء کے نفاذ کے بعد حمید نظامی نے اس وقت اپنے قلم سے مارشل لاء کے خلاف بھرپور اظہار خیال کیا جب کسی کو مارشل لاء کے خلاف کچھ تحریر کرنے کی جرأت نہ تھی انہوں نے پاکستانی عوام کے حقوق کے تحفظ، جمہوریت کی بحالی اور اسلامی اقدار کے احیاء کے لئے اپنی

Marfat.com

زندگی کو داؤ پر لگا دیا۔ مارشل لاء میں کلمۃ الحق بلند کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی مگر حمید نظامی مارشل لاء پر ایسی پہلو دار تنقید کرنے کا عمل جاری رکھے ہوئے تھے کہ مارشل لاء حکام پیچ و تاب کھا کر رہ جایا کرتے۔ نگارشات میں ٹیپ کا بند ایک ہی ہوتا تھا کہ مارشل لاء ختم کر کے عوام کو بالغ رائے دہی کی بنیاد پر اپنی حکومت بنانے کا حق دیا جائے۔ انہوں نے گھٹن کی فضا میں بھی مارشل لاء کے خلاف علم جہاد بلند کر رکھا تھا۔ اور مارشل لاء حکام ان سے عاجز آ چکے تھے۔

ایوب خان کے مارشل لاء نے خیبر سے چاٹگام تک پھیلے ہوئے پاکستان کے مشرقی بازو (آج کے بنگلہ دیش) میں اس احساس کو شدت کے ساتھ بیدار کر دیا تھا کہ ملک کے اقتدار اعلیٰ میں مشرقی پاکستان کا کوئی حصہ نہیں ہے، ملک و قوم کے امور سے متعلق تمام فیصلے تو مغربی پاکستان (آج کے پاکستان) میں ہوتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان کی صحافت اور اس سے منسلک لوگ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مارشل لاء کے نفاذ سے اٹھنے والی ٹیسوں کو مشرقی پاکستان کی صحافی برادری نے بھی بری طرح محسوس کیا۔ چنانچہ ایسٹ پاکستان یونین آف جرنلسٹس نے ڈھاکہ میں جون 1960ء کے دوسرے ہفتے "اخبارات کی آزادی کا مسئلہ" کے عنوان سے ایک سیمینار کا اہتمام کیا اور اس میں ایوب خان کی مرکزی کابینہ کے وزیر قانون جناب محمد ابراہیم کو سیمینار کے افتتاح کے لئے مدعو کیا۔ اس سیمینار میں وفاقی وزیر نے جو باتیں کیں، ان کی بنیاد پر حمید نظامی کو آزادی اظہار سے متعلق نعرہ حق ضبطِ تحریر میں لانے کا گویا بہانہ مل گیا۔ یہ وہ وقت تھا جب بڑے بڑے جغادری قسم کے اہل قلم اور اخبار نویس منقار زیر پر تھے اور مارشل لاء حکام کو عوامی حقوق اور تحریر و تقریر کی آزادی کے حوالے سے کوئی بھی بات سننے کا یارا نہ تھا۔ مگر حمید نظامی اس راہ میں بڑے سے بڑے خطرات میں کود جانے کا یارا ضرور رکھتے تھے۔

بلاشبہ وہ اس وقت کی دنیائے صحافت میں خطروں کا کھلاڑی تھا۔ انہوں نے وفاقی وزیر قانون جناب محمد ابراہیم کی سیمینار میں تقریر کے حوالہ سے 15 جون 1960ء کو جو اداریہ لکھا وہ نہ صرف ان کی جرأت، بیباکی اور بے خوف صحافت کی دلالت کرتا ہے بلکہ اسے شعبہ صحافت سے منسلک قومی و ملکی خدمت کے جذبہ سے سرشار اہل صحافت کی فکری رہنمائی کے لئے نسخہ کیمیا کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس اداریہ میں وہ لکھتے ہیں:

"وزیر قانون مسٹر محمد ابراہیم نے اعلان کیا ہے کہ مضبوط اور بے باک پریس کے بغیر

Marfat.com

ملک میں کوئی ترقی اور فارغ البالی ممکن نہیں۔ آپ نے غیر مبہم الفاظ میں یقین دلایا کہ نئی حکومت قومی اخبارات پر پابندیاں عائد کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔

مسٹر محمد ابراہیم نے پاکستان میں آزاد' مضبوط اور نڈر پریس کو ملک کی ترقی اور فارغ البالی کے لئے ضروری قرار دیا ہے اور صحافیوں کو تلقین کی کہ وہ مسائل زندگی کے بارے میں تعمیری انداز اختیار کریں ..... صاحب موصوف نے یہ قابل قدر باتیں ڈھاکہ کے ایک مباحثہ میں حصہ لیتے ہوئے کہیں۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ ''اگر اخبارات مضبوط اور نڈر نہ ہوں تو قوم نمایاں ترقی نہیں کر سکتی۔

ہمیں یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہے کہ ہمارے فاضل وزیر قانون کو نڈر اور مضبوط پریس کی اہمیت و افادیت کا پورا احساس ہے۔ ہم بار بار ان کالموں میں لکھ چکے ہیں کہ ملک ..... خود حکومت کے لئے وہی پریس مفید اور کارآمد ہے جو ذمہ دار' ایماندار اور نڈر ہو' بے ایمان اور خوشامدی پریس ملک ..... اور خود حکومت کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا بلکہ کسی حکومت کو جتنا نقصان ایک خوشامدی پریس پہنچا سکتا ہے' اس کا مخالف اور نکتہ چین پریس اسے اس کا دسواں حصہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

خوشامدی پریس نہ صرف ملک کے اصل حالات اور عوام کے حقیقی جذبات کو اپنے محدود حکمرانوں سے چھپاتا ہے بلکہ ملکی حالات کی دل خوش کن مگر غلط تصویریں کھینچ کر اور حکمرانوں کو یہ غلط یقین دلا کر کہ عوام ان سے بڑے خوش ہیں اور انہیں دعائیں دیتے ہیں۔ حکمرانوں کو اصلاح احوال کی کوشش سے بھی باز رکھتا ہے اور رفتہ رفتہ انہیں عوام سے بالکل دور کر دیتا ہے۔ انقلاف فرانس سے فوراً پہلے چند سال میں جو کردار شہنشاہ کے خوشامدی مصاحب ادا کیا کرتے تھے' وہی کردار اس زمانے میں مختلف ملکوں میں خوشامدی اخبار ادا کرتے ہیں۔ اور ..... تاریخ گواہ ہے کہ خوشامدی اخبارات کے ممدوحین کا انجام شہنشاہ لوئی کے انجام سے چنداں بہتر نہیں ہوتا۔

ہمیں خوشی ہے کہ جہاں بعض اخبارات اپنے فرائض اور منصب سے غافل ہیں وہاں ایک وزیر میں اتنی بالغ نظری ہے کہ انہوں نے اخبارات کو یاد دلایا ہے کہ .....

''حکومتیں آتی جاتی رہتی ہیں۔ لیکن آپ عوام کے نمائندوں کی حیثیت سے برقرار

Marfat.com

رہیں گے''۔

مسٹر محمد ابراہیم نے اپنی اس تقریر میں یہ فرمایا ہے کہ حکومت اور اخبارات دونوں کا مقصد یہ ہے کہ ملک کی حالت بہتر ہو اور قانون کی حکومت اور عملداری کا مطلب یہ ہے کہ ملک کا نظم و نسق عوام کی خواہشات کے مطابق چلایا جائے...... چنانچہ ایک اچھی حکومت اور ایک محب وطن پریس کے بعض حصوں کے مابین طریقہ کار کے بارے میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ اور بعض اوقات جھگڑے کی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے اور جھگڑے کی بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حکومت یہ سمجھتی ہے کہ پریس اپنی حدود سے تجاوز کر رہا ہے اور وہ اسے دبانے کی کوشش کرتی ہے۔ دوسری طرف پریس یہ سمجھتا ہے کہ حکومت اخبارات کی آزادی کو سلب کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اگر یہ جھگڑا خوش اسلوبی سے نہ طے کر لیا جائے تو بڑی ناگوار صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ملک اور خود حکومت کو...... شدید نقصان پہنچتا ہے۔ اس کی حالیہ مثال ترکی ہے۔

پریس کی حدود

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پریس کی حدود کیا ہیں اور جب پریس کی آزادی کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے تو اس سے کیا مراد ہوتی ہے؟ ڈھاکہ کی مذکورہ بالا رپورٹ میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسٹر محمد ابراہیم نے یہ فرمایا کہ پریس کی آزادی کے دو پہلو ہیں...... ہمیں کتنی آزادی ملتی ہے اور ہمیں جو آزادی ملتی ہے، اسے ہم کس حد تک استعمال کر سکتے ہیں؟

ہم نے ان کا یہ ارشاد بڑے شوق سے پڑھا اور پھر سبھی اخبارات کی چھان بین کی کہ شاید انہوں نے مسئلہ کے دونوں پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہو۔ مگر یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ سبھی رپورٹیں مختصر ہیں اور ان میں صرف اتنا ہی کہا گیا ہے کہ ''وزیر قانون نے اس سلسلہ میں صحافیوں کو حزم و احتیاط سے کام لینے اور جو آزادی میسر ہے اس سے بوجوہ احسن استفادہ کرنے کا مشورہ دیا''

ظاہر ہے کہ یہ مختصری رپورٹ ہمارے لئے مایوس کن ہے۔ خدا کرے ہمارا اندازہ غلط ہو مگر اس مختصری رپورٹ سے تو یہی تاثر پیدا ہوتا ہے کہ فاضل وزیر قانون

Marfat.com

اخبارات کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ جو آزادی اس وقت میسر ہے اس سے فائدہ اٹھائیے۔ اگر اجازت ہو تو ہم اس سلسلے میں ایک گزارش کریں۔۔

○...... اب یہ بات مسلمہ ہے کہ مضبوط اور نڈر پریس کے بغیر ملک ترقی نہیں کر سکتا...... خودار کان حکومت یہی کہتے ہیں۔

○...... اس کے برعکس یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ خوشامدی اور بے ضمیر پریس ملک کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔

ارکان حکومت زبان سے یہ بات کہیں نہ کہیں مگر دل میں بھی وہ جانتے ہیں کہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ پریس نڈر کیسے ہو؟ محض کسی رکن حکومت کے یہ کہہ دینے سے کہ آپ نڈر ہو کر کہیئے تو اخبار نڈر نہیں ہو جائیں گے۔ استثنائی صورتوں کو ایسے معاملات میں بطور مثال پیش نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ایسے اخبارات تو کسی رکن حکومت کی طرف سے مذکورہ بالا تعین کے بغیر بھی بیباکی سے ہی لکھیں گے مگر سوال پورے پریس کا ہے ایک دو اخبارات کا نہیں اور پریس کو بحیثیت مجموعی نڈر بنانا مقصود ہے تو اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ قانون ملکی پریس کی آزادی کا ضامن ہے۔

اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ کسی حکومت کی بددیانتی یا کسی اخبار کی دیدہ دانستہ بے راہروی سے قطع نظر حکومت کی پوری نیک نیتی اور اخبار کی کامل دیانتداری کے باوجود...... اور اس کے باوصف کہ حکومت بھی ملک کا بھلا چاہتی ہے اور اخبار بھی وطن کا خیر خواہ ہے...... دونوں کے درمیان اختلافات اور جھگڑا پیدا ہو سکتا ہے۔ حکومت نیک نیتی کے ساتھ یہ کہہ سکتی ہے کہ اخبار اپنی حدود سے تجاوز کر رہا ہے۔ دوسری طرف اخبار یہ شکایت کر سکتا ہے کہ حکومت پریس کی آزادی کو کچل رہی ہے۔ اب یہ فیصلہ کون کرے کہ اخبار اپنی حدود سے تجاوز کر رہا ہے یا نہیں؟ اور حکومت پریس کی آزادی سلب کر رہی ہے یا نہیں؟ ہماری دیانتدارانہ اور پختہ رائے یہ ہے کہ یہ فیصلہ صرف ملکی عدالتوں کو کرنا چاہئے۔

اور کسی ہنگامی یا غیر معمولی قانون کے ماتحت نہیں بلکہ عام ملکی قانون کے ماتحت

Marfat.com

جنگ سے پیدا شدہ صورت حال کی بات دوسری ہے مگر عام حالات میں حکومت اور پریس کے مابین جھگڑے کا فیصلہ عدالتوں کو عام مروجہ قانون کے مطابق ہی کرنا چاہئے۔ صرف یہی ایک صورت ہے جو اخبارات میں یہ اطمینان پیدا کر سکتی ہے کہ وہ آزاد ہیں' ان کے حقوق محفوظ ہیں۔ اور اگر ان کی تنقید کسی کو ناگوار بھی گزرے گی تو وہ ان کی گردن تلوار سے نہیں اڑا دے گا۔ انہیں عدالتوں ہی میں لے جائے گا۔ جب چوبیس گھنٹے تلوار سر پر لٹک رہی ہو تو غیر معمولی قوت ایمانی کے مالک اخبار نویس کا قلم ہی بے باک ہو سکتا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ اگر یہ سطور وزیر قانون کی نظر سے گزریں تو وہ یہ کہیں گے کہ دیکھئے آپ بے انصافی کرتے ہیں ہم نے کوئی اخبار بند نہیں کیا' ہم نے کسی کو جیل میں نہیں ڈالا۔ آپ اپنی مثال ہی لیں ''نوائے وقت'' نے وزیروں سے بھی اختلاف کیا ہے اور ان پر کھلم کھلا نکتہ چینی کی ہے۔ ہم نے آپ کا اخبار بند نہیں کیا۔ نہ آپ کو گرفتار کیا۔ پھر بھی آپ یہ کہتے ہیں کہ تلوار آپ کے سر پر لٹک رہی ہے اور پریس کی آزادی محفوظ نہیں۔

اگرچہ یہ ٹھیک نہیں کہ کسی کو جیل میں نہیں ڈالا گیا' کچھ لوگ جیل میں ڈالے گئے' شاید وزیر صاحب کو اس کا علم نہ ہو تاہم ہمیں پوری احسان مندی کے ساتھ...... اس امر کا اعتراف ہے کہ موجودہ حکومت کا رویہ بحیثیت مجموعی پریس سے اچھا ہی رہا ہے۔ اس قسم کی حکومتیں جو کسی پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ نہ ہوں اور جنہیں پورے اختیارات حاصل ہوں' عام طور پر پریس سے ایسا اچھا سلوک نہیں کیا کرتیں۔

ہمیں اس امر کا بھی اعتراف ہے کہ ''نوائے وقت'' کی تنقید کو اب تک کہیں خندہ پیشانی کے ساتھ کہیں ذرا کبیدہ خاطری سے برداشت ہی کیا گیا۔ اور ہم اس کے لئے شکر گزار ہیں۔

مگر ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یہ تو آپ کی مہربانی ہے کہ آپ نے ہماری تنقید برداشت کی۔ ہم محض آپ کی مہربانی کو کافی نہیں سمجھتے ہم حکومت کی مہربانی کے طلبگار نہیں۔ آزادی ہمارا حق ہے ہم اپنا حق مانگتے ہیں....

Marfat.com

اس تنقید میں کیا جان ہوگی جو حکومت کی مہربانی پر منحصر ہو' تنقید تو پریس کا حق ہے۔ اگر آپ واقعی ملک میں باشعور اور مضبوط رائے عامہ چاہتے ہیں تو پریس کا یہ حق تسلیم کیجئے۔ کیونکہ نڈر پریس اور باشعور و مضبوط رائے عامہ لازم وملزوم ہیں۔ اور پریس اسی صورت نڈر ہوسکتا ہے جب اس کے حقوق قانون میں واضح اور متعین ہوں اور اسے معلوم ہو کہ جب اسے یہ شکایت پیدا ہوگی کہ اس کے حقوق سلب کئے جا رہے ہیں تو وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے۔ اخبارات یہ کہتے ہیں کہ اگر کبھی حکومت کو یہ شبہ پیدا ہو کہ ہم نے اپنی حدود سے تجاوز کیا ہے تو حکومت ہمیں عدالت میں لے جائے۔ مگر حدود کا تعین مروجہ قانون میں ہونا چاہئے اور ہمارے خلاف حدود سے تجاوز کے الزام کی چھان بین اور اس کا فیصلہ عدالت کرے''۔

1961ء کے دوران پہلے تو ایوب خان کے کہنے پر لیفٹیننٹ جنرل بختیار رانا نے حمید نظامی سے کئی ملاقاتیں کیں اور انہیں طرح طرح کی دھمکیاں دے کر زیر دام لانے کی کوشش کی گئی مگر حمید نظامی پر ایسی دھمکیوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کے بعد فیلڈ مارشل ایوب خان نے ان سے ملاقاتوں کا ڈول ڈالا جو ایوب خان کی خواہش پر ہوئیں۔ مگر حمید نظامی کو زیر دام لانے یا رام کرنے کی کوئی سی کوشش بھی کامیاب نہ ہوسکی۔ انہوں نے یہ موقف اختیار کر رکھا تھا کہ مارشل لاء نے جو کام کرنا تھا وہ کرلیا' اب اس کو ختم کر کے لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق لوٹا دیئے جائیں۔ ایوب خان نے ذاکر حسین (جو بعد میں وفاقی وزیر داخلہ بنے) کو بھیجا کہ حمید نظامی کو کسی نہ کسی طرح ''راضی'' کیا جائے تو ملاقات کے دوران حمید نظامی نے کہا کہ اب آمروں اور بادشاہوں کا زمانہ لد چکا ہے' یہ سلطانیء جمہور کا دور ہے' اب ایوب خان زیادہ عرصہ تک عوام کو حقوق سے محروم رکھ سکتے ہیں نہ ان کی سوچ پر پہرے بٹھا سکتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ سیاستدانوں اور سیاست سے دلچسپی رکھنے والوں سے از خود مل کر انہیں مارشل لاء کے خلاف زبان کھولنے کا حوصلہ دیتے۔

ایوب خان کو دل سے یہ بات ہرگز ہرگز گوارا نہ تھی کہ پورے ملک میں ایک ''حمید نظامی'' ان کے آمرانہ عزائم کے سامنے دیوار بن کر کھڑا رہے۔ اپنی راہ کی اس دیوار کو ہٹانے کے لئے ایوب خان نے اس بیورو کریسی کی ایک بہت پاور فل ٹیم کو تعینات کیا جو ہر دور آمریت میں ایوان

Marfat.com

اقتدار کے مکینوں کی حاشیہ برداری اور چاپلوسی اپنا فرض سمجھ کر ادا کرتی چلی آرہی تھی۔

ایوب خان نے مدیران جرائد کو ملاقات کیلئے راولپنڈی بلایا۔ اس موقع پر جب چاروں جانب ایوب خان کی طرف سے جلی کٹی سنائی جانے پر سناٹا تھا تو ایوب خان نے اس ماحول سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: ''نظامی صاحب! کیا آپ حکومت کو ہدف تنقید بنانا چھوڑ نہیں سکتے؟ آخر آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟''۔

حمید نظامی نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''ہم تو ملی فرائض پورے کرتے ہیں''۔

ایوب خان: ''آپ کے فرائض مجھ سے زیادہ اہم نوعیت کے تو نہیں ہیں''۔

حمید نظامی: ''جناب آپ عوام سے براہ راست نہیں ملتے لیکن مجھے تو ہر روز خود کو عوام کے سامنے پیش کرنا پڑتا ہے اور انہیں ملکی اور قومی معاملات کے متعلق اپنا نقطہ نظر بتانا پڑتا ہے۔ یہی میرا فرض ہے۔ آپ کو پسند نہیں تو آپ اخبار بند کر سکتے ہیں، میں اپنا فرض ادا کرتا رہوں گا''۔

ایوب خان صرف دانت پیس کر رہ گئے۔

ملک وقوم کی بقا اور فلاح و بہبود کی راہ میں حمید نظامی کے سرفروشانہ انداز صحافت کا نہ صرف عوامی سطح پر چرچا اور لوگوں کے دلوں پر اس کا نقش قائم تھا بلکہ بعض عمائدین حکومت بھی ان کے ایسے جذبات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ابھی وہ پوری کھیپ بقید حیات تھی جنہوں نے حمید نظامی کو نہ صرف پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے پلیٹ فارم بلکہ اس کے فوراً بعد میدان صحافت میں حضرت قائد اعظمؒ کے ترجمان کے طور پر حصول وطن کی جدوجہد میں انگریزوں، ہندوؤں، سکھوں اور پاکستان مخالف نیشنلسٹ مسلمانوں سے دلیرانہ جنگ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کھیپ کے سیاسی، حکومتی اور بیوروکریسی کے سرکردہ ارکان حمید نظامی کے دل سے قدردان تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب 1940ء کی تاریخی جلسہ گاہ منٹو پارک (اقبال پارک) میں یادگار قرارداد پاکستان تعمیر کرنے کے لئے حکومت نے اعلیٰ سطح کی کمیٹی تشکیل دی تو اس میں حمید نظامی کو اس کمیٹی میں شامل کرنے کے لئے ان سے رائے پوچھی گئی جسے حمید نظامی نے بخوشی قبول کر لیا۔ چنانچہ یادگار قرارداد پاکستان (مینار پاکستان) کے قیام کے سلسلے میں جو اولین کمیٹی تشکیل دی گئی اس میں حمید نظامی سمیت یہ حضرات بھی شامل تھے۔ بیرسٹر میاں

Marfat.com

بشیر احمد سابق رکن آل انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی، میاں امیر الدین سابق خزانچی پنجاب پراونشل مسلم لیگ وانچارج پنڈال کمٹی اجلاس مسلم لیگ منعقدہ منٹو پارک لاہور 1940ء، نوابزادہ رشید علی خاں صدر سٹی مسلم لیگ، ضیاء الاسلام سابق صدر پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن، انور غازی آبادی سابق سیکرٹری مسلم لیگ غازی آباد اور محمد الیاس مسعود قریشی سابق جنرل سیکرٹری پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن۔

اس وقت اس منصوبے کو ''پاکستان ڈے میموریل'' کا نام دیا گیا تھا۔ اس کمیٹی کا اجلاس 22 نومبر 1961ء کو کمشنر لاہور ڈویژن حماد رضا کے دفتر میں منعقد ہوا جس میں اس کے ماڈل پر تبادلہ خیالات ہوا۔ جب کمشنر حماد رضا نے کہا کہ اس ''میموریل'' کی تعمیر کے لئے نصف سرمایہ حکومت فراہم کرے گی اور باقی نصف عوام لگائیں گے تو اس پر حمید نظامی گویا ہوئے ''روپے کا فکر نہ کریں اس کے لئے انتظام ہو جائے گا''۔

❖

Marfat.com

حمید نظامی اپنے چھوٹے بھائی مجید نظامی کے ساتھ

مجید نظامی نے کالج کی تعلیم کے دوران حمید نظامی کی تربیت میں صحافت کے اسرار ورموز سے آگاہی حاصل کی۔ پھر 1954ء سے 1962ء تک لندن میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہوئے نوائے وقت کے لئے نامہ نگاری بھی کرتے رہے اور بڑے بھائی حمید نظامی کی وفات پر پاکستان آکر روزنامہ نوائے وقت کے ایڈیٹر بنے

Marfat.com

عوامی حقوق کا پرچم بردار

☆ دلکش ترغیبات کی پیشکشیں

☆ مارشل لاء کو شکست

☆ ......اور وہ امر ہو گئے

Marfat.com

بلاشبہ ایوب خان اپنا آئین نافذ کرنے کا اعلان کر چکے تھے مگر اس اعلان کو عملی جامہ پہنانے میں دیر ہوتی چلی گئی۔ حمید نظامی کے لئے یہ بات بڑی سوہان روح تھی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ آئین کے نفاذ کے بغیر عوامی حقوق کی بحالی ممکن نہیں ہوگی اس لئے ان کی تمام تر توجہ اس بات پر مرکوز تھی کہ اول آئین کا نفاذ جلد ہو اور ثانیاً اس آئین میں عوام کے بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے۔ حمید نظامی اپنے عہد کے بڑے اثر و رسوخ والے ایڈیٹر تھے۔ انہیں اپنے ذرائع سے حکومتی ایوانوں میں ملکی اور قومی معاملات کے بارے میں پکنے والی کھچڑی کی تفصیلات کا علم بھی ہو جایا کرتا تھا۔ انہیں باوثوق ذرائع سے علم ہو چکا تھا کہ ایوب خان نے جو آئین مرتب کرایا ہے اس میں عوام کے بنیادی حقوق کی شق سرے سے موجود نہیں۔ اس اطلاع کی بنیاد پر انہوں نے ایوبی آمریت کے خلاف اپنے رویوں کو مزید سخت کر دیا۔ اس کی نمایاں جھلک ''نوائے وقت'' میں بھی دیکھی جانے لگی۔ اکثر و بیشتر اخبارات ایوب خان کے بیانات سے عبارت خبروں کو شہ سرخی بنایا کرتے جبکہ حمید نظامی ایسی خبروں کو دانستہ طور پر شہ سرخی نہ بنواتے بلکہ صفحہ اول کے نصف حصے کے قریب دو تین کالم سرخی کے ساتھ دیتے اور اس سلسلے میں مارشل لاء حکام کی جبہ سائی کرنے والے اعلیٰ سول حکام کی ہدایات کو پرِ کاہ جتنی بھی اہمیت نہ دیتے۔ آئین کے فوری نفاذ کے مطالبے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ 10 دسمبر 1961ء کے اخبار میں انہوں نے ''نئے سال کا تحفہ'' کے عنوان سے اداریہ میں اسی مطالبے کا اعادہ کیا۔ انہوں نے جس خوبصورت انداز میں آئین کے فوری نفاذ کی بات کی یہ کچھ انہی کا حصہ تھا۔ انہوں نے لکھا:

''نئے آئین کی ترتیب و تدوین کا کام کب تک مکمل ہوگا؟ نیا آئین کس تاریخ سے

Marfat.com

نافذ ہوگا؟ عام انتخابات کب ہوں گے؟ نئی پارلیمنٹ کب معرض وجود میں آئے گی؟ یہ ایسے سوالات ہیں کہ ہر پاکستانی ان کا جواب چاہتا ہے۔ کوئی زبان پر لائے یا نہ لائے یہ دوسری بات ہے مگر یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ یہ سوالات ہر پاکستانی کے ذہن میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کو نومبر کے مہینے کا بڑا انتظار تھا کیونکہ ستمبر/اکتوبر میں یہ خبر آئی تھی کہ پاکستان کے نئے آئین کے بڑے بڑے نکات کا اعلان نومبر 1961ء میں کر دیا جائے گا۔ بعد میں جب یہ خبر آئی کہ نومبر میں کوئی اعلان نہیں ہوگا پہلے آئین کی ترتیب و تدوین کا کام مکمل کیا جائے گا اور جب یہ کام ختم ہوگا تو پھر پورے آئین ہی کا اعلان کر دیا جائے گا' محض اہم نکات کے اعلان پر اکتفا نہیں کیا جائے گا۔ اگر ہم یہ کہیں کہ لوگوں کو یہ خبر پڑھ کر مایوسی ہوئی تھی تو یہ کسی راز کا انکشاف نہیں ہوگا۔ اسی پس منظر میں صدر مملکت کا یہ غیر مبہم اعلان کہ نیا آئین جنوری کے آخر تک نافذ کر دیا جائے گا اور پارلیمنٹ کے انتخابات مئی تک مکمل ہو جائیں گے ایک مسرت آفریں اعلان ہے۔ صدر نے اس بات کا بھی اعادہ کیا ہے کہ نئی پارلیمنٹ ہی ملک کے اگلے بجٹ کی منظوری دے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پارلیمنٹ کا اجلاس پارلیمنٹ کے انتخابات کے فوراً بعد ہی شروع ہو جائے گا کیونکہ نیا بجٹ بہرحال 30 جون سے پہلے منظور ہو جانا چاہیے۔

گویا آئین کے بارے میں لوگون کے ذہن میں جو سوالات تھے ان سب کا جواب مل گیا ہے۔ ہم صدر مملکت کے اس اعلان کو کہ نیا آئین جنوری میں نافذ کر دیا جائے گا نئے سال کا تحفہ سمجھتے ہوئے اس کا خیر مقدم کرتے ہیں''۔

حقیقت یہ ہے کہ حمید نظامی اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ آئین کے نفاذ کے بعد جہاں بنیادی حقوق کی بحالی ہوگی وہاں پارلیمنٹ کے قیام سے جمہوریت کی راہ بھی ہموار ہوگی۔ جس کا گلا ایوب خان نے گھونٹ دیا تھا۔

انہی دنوں لیفٹیننٹ جنرل بختیار رانا سے لے کر متعدد اعلیٰ حکومتی ارکان اور حمید نظامی کے جاننے والے معاشرتی حیثیت کے نمایاں افراد کو یکے بعد دیگرے ایوب خان' حمید نظامی کے پاس بھیجتے رہے کہ انہیں کسی نہ کسی طرح شیشے میں اتار کر حکومت مخالف پالیسی بدلنے پر مجبور کیا

Marfat.com

جائے۔ایسی ملاقاتوں میں حمید نظامی کو ایوب خان کی طرف سے کئی ایک دلکش ترغیبات‘ جن میں اخبار ”نوائے وقت“ کے لئے سرکاری اشتہارات کی بھرمار‘ نیوز پرنٹ کے درآمدی پرمٹ‘ جدید مشیری درآمد کرنے کے اجازت ناموں کی فراخدلانہ پیشکشیں بھی شامل ہوتیں‘ کے جھکمے دیئے گئے۔مگر حکومت کی کوئی بڑی سے بڑی پیشکش بھی حمید نظامی کو اپنے اصولوں سے ایک انچ بھی ادھر ادھر نہ کرا سکی۔وہ اپنے اس موقف پر ڈٹے رہے کہ آزادیء تحریر وتقریر اور عوامی حقوق کی بحالی کے سلسلے میں حکومت کے کسی عذر کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ایوب خان واشگاف الفاظ میں اعلان کریں کہ وہ آئین میں عوام کے بنیادی حقوق کی شقیں شامل کریں گے۔اس حوالے سے حمید نظامی کے دیرینہ دوست شیخ خورشید احمد جو آئین کے نفاذ کے بعد پہلے مغربی پاکستان اور پھر ایوب خان کی مرکزی کابینہ میں وزیر قانون رہے‘ نے ایوب خان کی ہدایت پر حمید نظامی سے کئی ایک ملاقاتیں کیں۔وہ حمید نظامی کی اصول پسندی کے آگے اگرچہ دم نہیں مار سکتے تھے‘ نہ ہی بنیادی حقوق‘ آزادیء اظہار اور جمہوریت کے بارے میں حمید نظامی کے غیر متزلزل خیالات کے حوالے ان سے کسی قسم کی بحث کرنے کی جرأت کر سکتے تھے مگر انہوں نے اپنی ملاقاتوں میں حمید نظامی کو وقت کی نزاکتوں کا احساس کرنے اور محتاط انداز میں صحافی محاذ پر حکومتی رویوں کے خلاف قدم اٹھانے کی ضرور باتیں کیں۔تاہم حمید نظامی نے شیخ خورشید کو آخری ملاقات میں دو ٹوک الفاظ میں یہ پیغام دے دیا کہ اب ایوب خان کی مارشل لاء کے خلاف ان کی نہ صرف صحافتی بلکہ عوامی اور فکری محاذوں پر جنگ کا آغاز ہوگا۔حکومت کو کسی حوالے سے یہ سن گن بھی لگ چکی تھی کہ حمید نظامی مارشل لاء کے خلاف باقاعدہ عملی جدوجہد کے لئے ہم خیال اہل فکر و دانش اور عوامی سطح کی نمایاں شخصیتوں سے رابطے کر چکے ہیں اور ایک منظم طریقے سے عوام کے بنیادی حقوق کی بحالی کی جدوجہد کا آغاز کرنے والے ہیں۔

ادھر حمید نظامی نے پرانے رفیق کار نامور سیاستدان سی آر اسلم‘ آغا شورش کاشمیری‘ ڈاکٹر محمد باقر اور اسی قبیل کے دیگر کچھ لوگوں کو اپنے گھر واقع ٹمپل روڈ چوک صفانوالہ مدعو کیا۔دوستوں کے اس اجلاس میں حمید نظامی نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ” آخر ملک میں یہ سناٹا کب تک طاری رہے گا؟ یہ سناٹے ہمت مرداں کا تقاضا کرتے ہیں‘ ہمیں مارشل لاء حکمرانوں کے خلاف جہاد کرنا ہوگا۔یقین کیجئے جو لوگ دل سے قوم پر کی گئی زیادتیوں کو محسوس کرتے ہیں ان پر

Marfat.com

یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ مارشل لاء کے خلاف جرأت مندانہ انداز میں آواز بلند کریں۔ ہماری قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ ہم مارشل لاء اور طالع آزما حکمرانوں کے آگے کھڑے ہو گئے تو لاکھوں کروڑوں ہم وطن ہماری پشت پر ہوں گے۔ اور ہم مارشل لاء حکمرانوں کو یقیناً شکست دیں گے۔ اگر ہم نے اس کام کو بھاری پتھر سمجھ کر اٹھانے میں کوتاہی کی تو قومی یکجہتی پارہ پارہ ہو جائے گی اور تاریخ ہمیں معاف نہیں کرے گی۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں اب خاموش تماشائی بن کر نہیں رہ سکتا''...... سبھی شرکاء نے حمید نظامی کے خیالات سے اتفاق کیا اور اسی دن سے رابطہ عوام مہم کا آغاز کرنے کا فیصلہ ہوا۔ چونکہ جلسوں پر پابندی تھی اس لئے محلوں میں لوگوں کے گھروں کی بیٹھکوں میں ''کارنر میٹنگ'' بلاتاخیر کرنے اور آئندہ کے لائحہ عمل کے لئے ہر آٹھویں دن مل بیٹھ کر اپنی اپنی کارروائی سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

حمید نظامی منصوبہ ساز ہی نہیں منصوبوں کو عملی شکل دینے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ ان کے اس منصوبے کی بھنک کا حکومت کے کانوں تک نہ پہنچنا ناممکن نہیں تھا۔ ادھر حمید نظامی اور ان کے گھر کی بھی حکومتی کارندے نگرانی کر رہے تھے۔ کیونکہ چند ہی یوم بعد شیخ خورشید اسلام آباد سے واپس آ کر حمید نظامی سے ملے اور انہوں نے حمید نظامی کو بتایا کہ ''مارشل لاء حکام کو ان کے اس منصوبے کا علم ہے جس کے تحت وہ منظم طریقے سے مارشل لاء کے خلاف عوام بالخصوص باشعور اور دانشور طبقے سے رابطے کر کے رائے عامہ کو منظم کر رہے ہیں اور اس بارے میں حکومتی ذرائع نے ایک تفصیلی رپورٹ ایوب خان کو پیش کی تھی جس پر سوچ بچار کے بعد ایوب خان نے بنیادی حقوق کی شق کے مسئلے پر ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور آئین میں بنیادی حقوق کی شق شامل کر دی گئی ہے''۔ تاہم حمید نظامی کے استفسار پر شیخ خورشید آئین کی بحالی کی حتمی تاریخ نہ بتا سکے کیونکہ اس کا صرف ایوب خان ہی کو علم تھا۔ شیخ خورشید تو حکومت کی طرف سے اگرچہ یہ بتانے آئے تھے کہ آئین میں بنیادی حقوق کی شق شامل کر کے حمید نظامی کی مارشل لاء حکام کے خلاف شروع کی جانے والی مہم کے غبارے سے ہوا نکال دی گئی ہے مگر درحقیقت حمید نظامی کی یہ کامیابی مارشل لاء کی واضح شکست تھی۔

اس کے چند ہی دن بعد وفاقی حکومت نے ایک آرڈیننس کے تحت فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن میں ترمیم کر دی اور گورنر مغربی پاکستان کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ وہ صوبے کے ہر علاقے میں

Marfat.com

اس کا اطلاق کر سکیں گے۔ حمید نظامیؒ نے 17 فروری 1962ء کو اخبار میں ''تعجب اور افسوس'' کے عنوان کے تحت اس کے خلاف زوردار اداریہ لکھا اور حکومت کے اس اقدام کو ہدف تنقید بناتے ہوئے لکھا: ''ہمیں افسوس ہے کہ ہم حکومت کے اس نئے اقدام کی تعریف یا تائید نہیں کر سکتے۔ یہ ایک رجعت پسندانہ قانون ہے''۔

21 فروری بدھ کا دن تھا۔ حمید نظامی حسب معمول سرشام دوستوں کے ساتھ گارڈینیا ہوٹل میں بیٹھے تھے کہ ممتاز شاعر حبیب جالب وہاں آ گئے۔ حمید نظامی نے آواز دے کر انہیں بلایا اور اپنے سامنے کی نشست پر بٹھا لیا۔ حال احوال پوچھنے لگے۔ اتنے میں ویٹر حسب ہدایت مہمان دیکھ کر مزید چائے لے کر آ گیا۔ حمید نظامی بڑی محبت سے چائے پر حبیب جالب سے باتیں کرنے لگے پھر اچانک گویا ہوئے: ''جالب صاحب دو چار ماہ پہلے آپ نے کراچی کے ایک اجتماع میں جو نظم سنائی تھی وہی سنا دیں، اسے سننے کو دل چاہ رہا ہے''۔ جالب بھلا نظامی صاحب کی فرمائش کب ٹال سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے خوبصورت مدھر انداز میں نظم کہنا شروع کر دی۔ حمید نظامی پورے انہماک سے سن رہے تھے۔ جب جالب نے یہ شعر پڑھا۔

کوئی تو پرچم لے کر نکلے اپنے گریباں کا جالب
چاروں جانب سناٹا ہے دیوانے یاد آتے ہیں

حمید نظامی نے اتنا کہا ''مکرر''۔ اور پھر ان پر گویا رقت طاری ہو گئی۔ سانس کی رفتار تیز ہو گئی۔ ایسے میں انہوں نے یہی شعر جالب سے بار بار دہرانے کی فرمائش کی۔ اور جالب سناتے رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک محاذ پر مارشل لاء پر فتح پانے کے باوجود ان کے دل کی یہ کسک ٹیسوں میں تبدیل ہو چکی تھی کہ مارشل لاء جلد از جلد ختم کیوں نہیں ہوتا۔ جس گھٹن کو وہ محسوس کر رہے تھے اس کا اظہار وہ دوستوں میں اس طرح کرتے کہ ''ملک پر جو سناٹے دار ماحول طاری ہے اس ماحول میں قومیں سیاسی لحاظ سے بانجھ ہو جایا کرتی ہیں۔ خدا معلوم ان کے وجدان نے انہیں کسی بات کی نشاندہی کر دی تھی کہ وہ دوستوں کے ساتھ شاہراہ قائداعظم کے فٹ پاتھوں پر ٹہلتے ہوئے منہ ہی منہ میں سلطان باھو کے کلام کے ان مصرعوں کو بار بار گنگنایا کرتے۔

گلیاں دے وچ پھرن نمانے لعلاں دے ونجارے ھو
تاڑی مار اڑا نہ باھو اساں آپ ہی اڈن ہارے ھو

Marfat.com

22 مئی کی رات حمید نظامی نے حسب معمول گارڈینیا ہوٹل شاہراہ قائداعظم لاہور سے محفل یاراں کے برخاست ہوجانے پر تھوڑی دیر اسی شاہراہ کے فٹ پاتھ پر چہل قدمی کی۔ اس کے بعد گاڑی میں گھر چلے گئے۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا' حمید نظامی باقاعدگی سے روزے رکھتے تھے۔ طبیعت درویشانہ پائی تھی۔ سحری میں صرف چند بسکٹ اور چائے کی پیالی لیتے۔ 23 فروری جمعہ کا روز تھا کہ سحری کے وقت حسب معمول انہوں نے چائے کی پیالی پی مگر دل کا درد نمایاں ہوکر ناقابل برداشت ہوگیا' متلی ہوگئی۔ اس وقت سے لے کر 25 فروری اتوار کی صبح تک ملک کے نامور معالجوں نے ان کا معائنہ کرکے ادویات تجویز کیں مگر کوئی دوا کارگر ثابت نہ ہوسکی اور 25 فروری کو گیارہ بج کر پچاس منٹ پر اللہ تعالیٰ نے اس حمید نظامی کو اپنے پاس بلالیا جسے اسلام کا قلم بدست سپاہی' تحریک پاکستان کا نڈر مجاہد' بانی پاکستان حضرت قائداعظم کا جانثار کارکن' صحافت کی آزادی و حرمت کا جرأت مند پاسبان اور مارشل لاء کا فاتح ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ مرحوم کی نماز جنازہ پنجاب یونیورسٹی گراؤنڈ میں امیر جماعت اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں مرد و خواتین سمیت زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے ہزاروں افراد نے شرکت کی اور ان کے جسد خاکی کو قبرستان میانی صاحب میں سپرد خاک کیا گیا۔

تاریخ کے اوراق اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ حمید نظامی آسودہ خاک ہوکر بھی زندوں میں شمار ہوئے۔ انہوں نے عوام کے حقوق بحال کرنے کی راہ میں مارشل لاء کے خلاف جان لیوا جنگ لڑی اور جان دے کر مارشل لاء کو شکست سے دوچار کرگئے۔ ایوب خان نے ان کی رحلت کے چند یوم بعد اپنا جو آئین قوم پر مسلط کیا اس میں عوامی حقوق سے متعلق تفصیلی شق کو شامل کیا گیا تھا جو یقیناً اسی مقصد کے لئے مارشل لاء کے خلاف حمید نظامی کی جدوجہد کا ثمر تھی گویا عوامی حقوق کی خاطر جان سے گزر جانے والے حمید نظامی کی طرف سے قوم کے لئے تحفہ!

انہوں نے اپنے پیچھے اہلیہ محترمہ محمودہ بیگم کے علاوہ تین بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑی۔ اس وقت شعیب، عارف، سارہ اور طاہر کی عمر علی الترتیب 16, 14, 12 اور چار برس تھی۔ شعیب نظامی بڑے ہوکر پرنٹنگ اور پبلشنگ کے کاروبار سے منسلک ہوئے۔ عارف نظامی نے پنجاب یونیورسٹی سے صحافت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور بیسویں صدی کے

Marfat.com

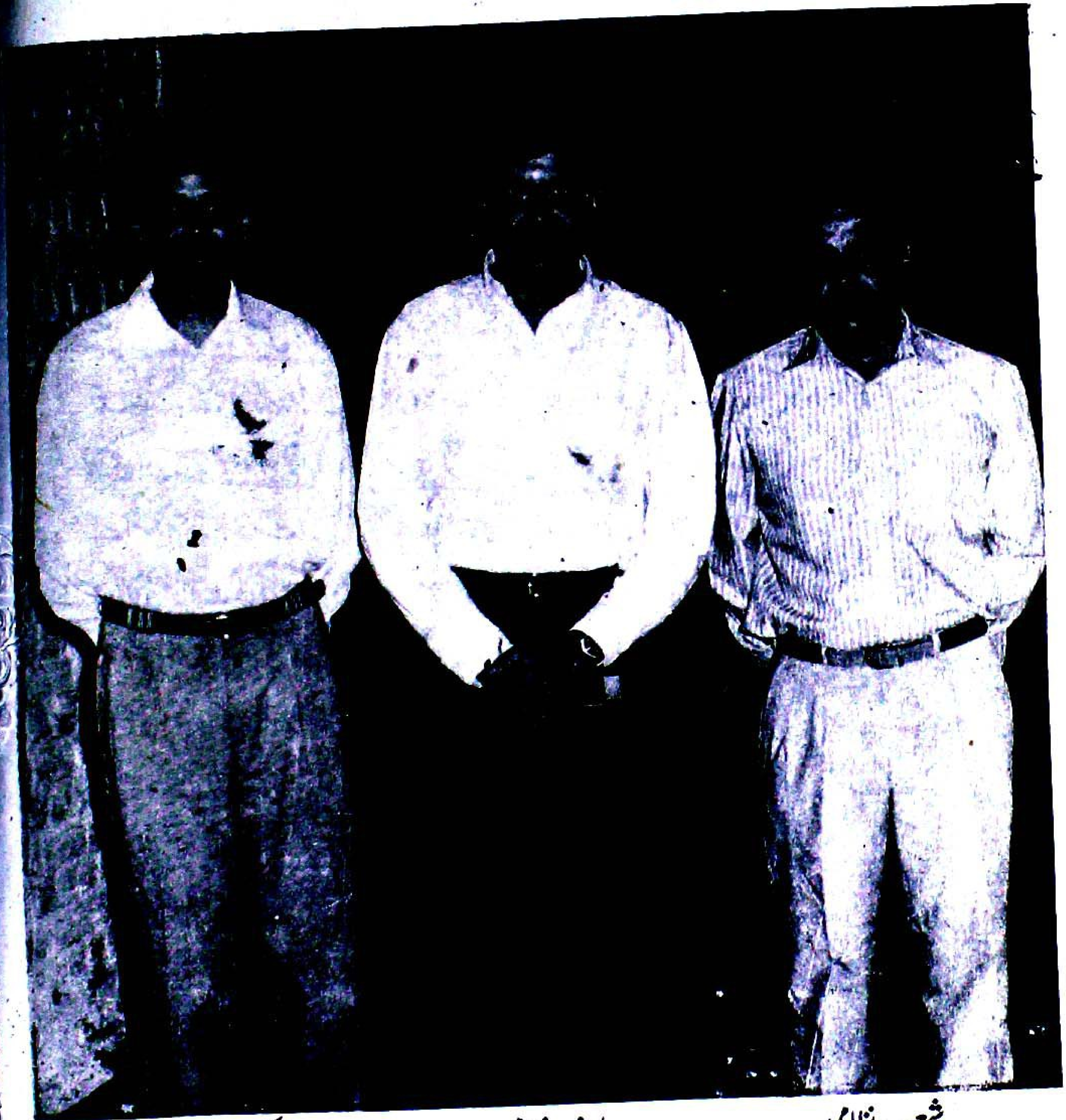

شعیب نظامی عارف نظامی ڈاکٹر طاہر نظامی

آٹھویں عشرے کے ابتدائی برسوں ہی میں انہوں نے اپنے چچا جناب مجید نظامی کی زیر تربیت نوائے وقت میں عملی صحافت کا آغاز کیا۔ اور اس کے بعد نوائے وقت گروپ آف پیپرز کے زیر اہتمام شائع ہونے والے انگریزی روزنامہ "دی نیشن" کے ایڈیٹر بنے۔

جبکہ طاہر نظامی ڈاکٹر بن گئے

Marfat.com

میر صاحب[1]

(ایک اشتراکی دوست کے نام)

حمید نظامی

میر صاحب کا پورا نام تو نہ پوچھئے خواہ مخواہ مجھ سے ہمیشہ کے لئے ناراضی ہو جائیں گے البتہ اتنا ضرور بتائے دیتا ہوں کہ میر صاحب ہیں بہت بڑے آدمی! خدا کا دیا سب کچھ ہے۔ بیوی ہے' بچے ہیں' موٹر ہے' کوٹھی ہے' بنک میں بھی دو چار لاکھ سے کیا کم جمع ہو گا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قسام ازل نے انہیں دردمند دل عطا کر رکھا ہے۔ اس دل میں سارے جہاں کا درد موجود ہے۔ کبھی میر صاحب غریبوں کے غم میں بے قرار ہیں تو کبھی انہیں مزدوروں کی ہمدردی کے باعث نیند نہیں آتی۔ ہم نے تو جب دیکھا انہیں غریبوں اور مزدوروں کی اصلاح کے خیال میں سرگرداں پایا۔

میر صاحب میرے پرانے دوست ہیں اور میرے حال پر بہت شفقت فرماتے ہیں۔ ہماری دوستی اکثر لوگوں کے لئے اچنبھے کی بات ہے۔ میر صاحب دو موٹروں کے مالک ہیں' میرے پاس ایک ٹوٹی پھوٹی بائیسکل ہے جس کے نہ گھنٹی ہے اور نہ بریکیں۔ میر صاحب شہر سے باہر ایک خوش وضع اور کشادہ کوٹھی میں رہتے ہیں' میرا مکان لاہور کی ایک نوآبادی میں واقع ہے اور ابھی تک بجلی کی روشنی سے محروم۔ پھر اسی پر بس نہیں میر صاحب ایک مشہور لیڈر ہیں اور مجھے محلے والے بھی نہیں جانتے۔ خود مجھے آج تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ میر صاحب مجھ پر اتنے مہربان کیوں ہیں؟ اور سچ پوچھئے تو میں نے کبھی اس مسئلہ پر غور ہی نہیں کیا۔ میرا خیال ہے کہ میر صاحب ہر غریب آدمی کے حال پر اسی طرح شفقت فرماتے ہیں۔

1۔ روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ

Marfat.com

مجھے سیاسیات سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں اور ہو بھی کیسے سکتی ہے؟ تیس روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے اور چھ گھنٹے روزانہ دفتر میں گھس گھس کرنی پڑتی ہے۔ والدین نے چھوٹی عمر میں شادی کر دی تھی' ہمارا گھر جامع مسجد کے قریب ہی تھا۔ مولوی صاحب ہر وعظ میں اس بات پر بہت زور دیا کرتے تھے کہ شادی کے بغیر ایمان ناقص رہتا ہے۔ اب والد صاحب ہمارے ایمان کی تکمیل کے درپے تھے اور والدہ کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ مرنے سے پہلے اپنے لاڈلے کو دولہا بنا دیکھ لوں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے احتجاج کے باوجود ہمیں چچا کی لڑکی سے بیاہ دیا گیا۔ مولوی صاحب ایک اور مسئلہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن رسول کریمؐ اس مسلمان سے بہت خوش ہوں گے جو امت کی تعداد میں اضافہ کرے گا۔ ہم تو مولوی صاحب کے کچھ زیادہ معتقد نہیں تھے البتہ والد صاحب کے نزدیک ان کا ہر ارشاد الہام کا درجہ رکھتا تھا۔ چنانچہ مولوی صاحب کے وعظ' والد صاحب کی خوش اعتقادی' والدہ کی دعاؤں اور ہندوستانی دواخانے کی دواؤں کا یہ اثر ہے کہ آج ہم خدا کے فضل سے تین بچوں کے باپ ہیں اور ابھی

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ تذکرہ میر صاحب کا تھا اور ہم اپنی داستان لے بیٹھے۔ ہمارا مطلب صرف یہ تھا کہ ایک غریب آدمی سیاسیات میں دلچسپی کے لئے وقت ہی نہیں نکال سکتا اور پھر میں تو یوں بھی بدھو واقع ہوا ہوں۔ شادی سے پہلے تھوڑی بہت ذہانت اور زندہ دلی پائی جاتی تھی وہ بیوی کے مہر میں ادا کر چکا ہوں۔ میری پارلیمنٹ میرا گھر ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ میں اس پارلیمنٹ کا رکن چھوڑ ووٹر بھی نہیں ہوں۔ سپیکر' منسٹر' وہپ سب کچھ میری بیوی ہیں۔ البتہ میرے تین بچوں کو نامزد ارکان سمجھ لیجئے اور وہ بھی غیر سرکاری نہیں بلکہ سرکاری! نہ ہم ایجی ٹیشن کریں گے اور نہ ہمیں ذمہ دار حکومت عطا کی جائے گی۔ لیکن بایں ہمہ جب ہم میر صاحب کی خدمت میں جا پہنچتے ہیں تو زیادہ تو نہیں لیکن پارلیمنٹ میں سب سے پچھلے بنچ پر بیٹھنے والے ممبر ضرور بن جاتے ہیں۔ میر صاحب حقہ سامنے رکھ دنیا بھر کے سیاسی معاملات پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ میں کبھی ان کے منہ کی طرف دیکھتا ہوں اور کبھی ان کے صاف شفاف اور چمکدار حقے میں اپنا منہ دیکھ لیتا ہوں۔ بہت تیر مارا تو کبھی کبھار 'جی ہاں' کہہ دیا۔

ایک دن میر صاحب بڑے مغموم نظر آ رہے تھے۔ میں نے سمجھا بیگم صاحبہ کی طبیعت ناساز ہو گی۔

Marfat.com

اس لئے پُھپکا ہو رہا۔ بات یہ ہے کہ میں میر صاحب کے ہر معاملے میں دخل دے دیتا ہوں لیکن ان کی بیگم صاحبہ کے کسی معاملہ میں نہیں بولتا۔ خود میر صاحب بیگم صاحبہ سے بہت دبتے تھے۔ آخر ہیں تو لیڈر ہی نا۔ مانا کہ انگریزی حکومت سے نہیں ڈرتے لیکن بیوی اور حکومت میں تو بہت فرق ہے۔ حکومت ناراض ہو تو اے کلاس ملتی ہے۔ صبح چائے' انڈے اور ''سینڈ مین''، دوپہر دو پر تکلف لنچ۔ سہ پہر کو پھر چائے اور شام کو ڈنر۔ بیوی ناراض ہو تو میر صاحب کی چائے بند اور ہمارے پان موقوف۔ لیکن ہمارا اندازہ غلط نکلا۔ اس دن میر صاحب مزدوروں کے غم میں گھل رہے تھے۔ مجھ سے کہنے لگے:۔

''تم جانتے ہو کہ دنیا کا مظلوم ترین انسان کون ہے؟''۔

میں نے عرض کی ''میں' جسے تیس روپیہ ماہوار میں اپنے علاوہ ایک بیوی اور تین بچوں کے پیٹ کی دوزخ بھرنی پڑتی ہے''۔

کہنے لگے ''بالکل غلط۔ تم میری بات ہی نہیں سمجھے۔ دنیا کا مظلوم ترین انسان مزدور ہے''۔

میں سمجھ گیا کہ بیگم صاحبہ کی طبیعت تو ناساز نہیں البتہ بیوی نے کسی بات پر میاں کی گوشمالی ضرور کی ہے۔ میں نے کہا ''جی ہاں''۔

کہنے لگے ''کچھ غور بھی کیا کہ کیوں یا یونہی جی ہاں کہہ دیا؟''۔

میں نے کہا ''میر صاحب جب آپ ایسا عالم و فاضل یہ کہہ رہا ہے کہ مزدور دنیا کا مظلوم ترین انسان ہے تو مجھے سوچنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟''۔

فرمانے لگے ''لیکن کبھی کبھی اپنے دماغ سے بھی تو کام لیا کرو۔ جب تک ہندوستان میں حریت فکر نہیں آئے گی ہندوستان آزاد نہیں ہو سکتا۔ یہاں یہ تو سیدھی سی بات ہے۔ امرا کے سر بفلک اور عالی شان محل کون تیار کرتا ہے؟ مزدور۔ لیکن محل کی تکمیل کے بعد اسے کوئی ڈیوڑھی میں بھی قدم نہیں رکھنے دیتا۔ آخر یہ بے انصافی کیوں؟ یہ صریح ظلم نہیں تو اور کیا ہے! سماج کے مظالم کی اس سے زیادہ شرمناک مثال اور کیا ہوگی؟''۔

اس وقت مجھے یہ خیال آیا کہ میر صاحب خود ایک عالیشان کوٹھی میں رہتے ہیں لیکن اگر ان مزدوروں میں سے جنھوں نے یہ کوٹھی بنائی تھی کوئی شامت کا مارا پھاٹک پر بھی آ نکلے تو اسے سوئی جانا پڑے کیونکہ ایسے لوگوں کی پیشوائی کے فرائض جو موٹر پر نہ آئیں یا انگریزی لباس میں ملبوس۔

Marfat.com

ہوں میر صاحب نے اپنے کتے "جان" کے سپرد کر رکھے ہیں۔ اول اول ایک دو مرتبہ انہیں میری شرافت کے متعلق بھی شبہ پیدا ہو چلا تھا اور ایک دفعہ تو انہوں نے میری بوسیدہ اچکن سے مشق ناز بھی شروع فرما دی تھی مگر بزرگوں کے نیک اعمال آڑے آ گئے اور میر صاحب ہماری امداد کو آ نکلے۔ میں اس سلسلہ میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا مگر میں نے سوچا میر صاحب بڑے آدمی ہیں ان کی باتیں یہی جانیں۔ شاید اس میں بھی کوئی مصلحت ہو اس لئے میں نے کہا تو صرف یہ کہا۔

"بجا فرمایا آپ نے میر صاحب' واقعی اس سے بڑی بے انصافی اور کیا ہو سکتی ہے؟"۔

ایک دفعہ مقامی کاٹن مل میں ہڑتال ہو گئی۔ مزدوروں کا مطالبہ یہ تھا کہ کام کے گھنٹے گھٹا دیئے جائیں اور اجرت میں اضافہ کیا جائے۔ کارخانے کے مالکوں کو یہ شرائط منظور نہ تھیں۔ مزدوروں نے کام کرنے سے انکار کر دیا۔ اس ہڑتال میں میر صاحب نے مزدوروں کی بہت امداد کی۔ سچ پوچھئے تو مزدوروں کے اصل قائد وہی تھے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے انہیں مل کے پھاٹک پر پکٹنگ کرتے دیکھا ہے۔ آخر میں کارخانہ داروں کو جھکنا پڑا اور مزدوروں کی فتح ہوئی۔ ہاں اس سلسلہ میں مجھے ایک دلچسپ واقعہ یاد آ گیا۔ میر صاحب کا ڈرائیور نرا جانگلو تھا۔ اس نے ہڑتال میں مزدوروں کی فتح سے متاثر ہو کر میر صاحب کی غریب پروری کا ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا اور میر صاحب سے کہنے لگا بیس روپے ماہوار میں میرے بیوی بچوں کا گزارہ نہیں ہو سکتا۔ میری تنخواہ پچیس روپے کر دیجئے۔ اور جب میر صاحب نے ذرا ڈانٹ پلائی تو اس نے انہیں ہڑتال کے حربے سے ڈرانا چاہا۔ میر صاحب نے اسی وقت اسے کوٹھی سے نکال باہر کیا۔ دو تین دن بعد اس کے حواس درست ہو گئے۔ اس نے بڑی کوشش کی کہ میر صاحب اسے معاف کر دیں اور دوبارہ ملازم رکھ لیں لیکن میر صاحب بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلے تھے کہ ایسے نمک حرام ملازموں کے بھرے میں آ جاتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے آزمودہ را آزمودن جہل است کے پیش نظر اسے دوبارہ ملازم نہ رکھا۔

میر صاحب گرمیوں میں ہمیشہ کشمیر چلے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ ناک میں پھنسی نکل آئی تھی اس لئے وہ اس خیال سے سوئٹزر لینڈ چلے گئے تھے کہ گرمیاں بھی مزے سے گزر جائیں گی اور ناک کا آپریشن بھی ہو جائے گا۔ اچھے اچھے سرجن تو ہندوستان میں بھی مل جاتے ہیں لیکن آزاد ملکوں کے ڈاکٹروں کے ہاتھ میں جو شفا ہے وہ بیچارے غلام ہندوستانیوں کو کہاں نصیب۔ اس

Marfat.com

کے علاوہ سودیشی کی تحریک کو صرف کھدر تک ہی محدود رکھنا چاہئے۔ اگر تعلیم اور طب کو بھی جغرافیائی حدود میں قید کردیا جائے تو تہذیب کی ترقی رک جائے گی۔

ایک دفعہ میر صاحب کو زکام کی شکایت ہوگئی۔ میں نے پوچھا ''میر صاحب کہیں آپ نے سینما کا دوسرا شو تو نہیں دیکھا؟''۔

کہنے لگے ''میں سینما بہت کم جایا کرتا ہوں''۔

میں نے کہا ''کیوں؟ آپ کے خیال میں سینما جانا معیوب ہے؟''۔

کہنے لگے ''نہیں تو۔ البتہ جو چیز عوام کو میسر نہیں اس سے ہم کیوں فائدہ اٹھائیں؟''۔

بات تو ٹھیک تھی لیکن مجھے خیال آیا کہ بیچارے عوام کو تو موٹر چھوڑ تانگہ بھی میسر نہیں اور میر صاحب کے پاس دو موٹریں ہیں۔ آخر میں نے جرأت کر کے پوچھ ہی لیا۔

''میر صاحب اگر یہ بات ہے تو آپ موٹر پر کیوں سوار ہوتے ہیں' عوام کو تو یہ بھی میسر نہیں''۔

کہنے لگے ''تم نرے بدھو ہی نکلے۔ ارے میاں موٹر تو میری ضروریات زندگی میں سے ہے اور سینما محض سامانِ تفریح ہے۔ موٹر سے وقت بچتا ہے اور میں اسے قوم کی خدمت میں صرف کر سکتا ہوں۔ سینما جانے سے وقت ضائع ہوتا ہے اور قوم کی حق تلفی ہوتی ہے''۔

جواب معقول تھا اس لئے میں خاموش رہا۔

سینما کے تذکرے میں مجھے ایک اور واقعہ یاد آ گیا ہے۔ ایک دفعہ میر صاحب مجھے اپنے ساتھ سینما لے گئے۔ انقلابِ فرانس کی فلم تھی۔ میر صاحب باکس میں بیٹھے۔ میں چونی میں بیٹھنے والا اس دن یہ محسوس کر رہا تھا کہ مجھے ہفت اقلیم کی بادشاہت مل گئی ہے۔ میں ادھر ادھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا کہ کسی شناسا پر نظر پڑ جائے تو اشاروں ہی اشاروں میں اسے بتاؤں کہ دیکھو ہم کہاں بیٹھے ہیں۔ میر صاحب کہنے لگے:

''نچلے درجے میں بیٹھنے سے بچت تو ضرور ہو جاتی ہے لیکن یہ کفایت شعاری جھوٹی کفایت شعاری ہے کیونکہ نچلے درجے میں بیٹھنے سے آنکھیں خراب ہو جاتی ہیں''۔

''تصویر'' واقعی بہت اچھی تھی۔ مزدوروں پر امرائے فرانس کے زہرہ گداز مظالم کے مناظر بہت دردناک تھے۔ جب ''وقفہ'' ہوا تو میں نے دیکھا کہ میر صاحب کی آنکھیں پرنم ہیں۔

Marfat.com

رومال آنسوؤں سے تر۔ اثر تو مجھ پر بھی ہوا تھا لیکن رونے کی وجہ میری سمجھ میں نہ آئی۔ میر صاحب نے مجھ سے کہا:۔

''تم بہت سنگدل ہو۔ تم اس غربت وافلاس سے متاثر نہیں ہوئے''۔

میں نے کہا ''میر صاحب آپ نے یہ منظر صرف سینما کے پردے پر دیکھا ہے۔ میں اس سے زیادہ تلخ مناظر ہر روز اپنے گردوپیش دیکھتا ہوں۔ دور کیوں جایئے میں خود اسی افلاس اور غربت کا زخم خوردہ ہوں''۔

اتنے میں ''تصویر'' دوبارہ شروع ہوگئی اور ہمارا سلسلہء گفتگو منقطع ہوگیا۔ جب ''تصویر'' ختم ہوگئی اور ہم باہر نکلے تو موٹر پر سوار ہوتے وقت ایک بڑھیا نے میر صاحب کو گھیر لیا اور ایک پیسہ کا مطالبہ بڑی شدت سے شروع کر دیا۔ میر صاحب نے اسے اس زور سے جھڑکا کہ بیچاری سہم گئی۔ مجھے اس تضاد پر بہت تعجب ہوا۔ میں نے کہا ''میر صاحب۔ یہ ہے افلاس کی جیتی جاگتی تصویر''۔

میر صاحب کچھ کبیدہ خاطر ہو کر فرمانے لگے ''ہمارا فرض یہ نہیں ہم افلاس کی حوصلہ افزائی کریں۔ ہم تو اس کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم برسر حکومت ہوتے تو ہمارے نزدیک سب سے بڑا جرم افلاس ہوتا''۔

میں نے جی میں کہا ''آپ کی حکومت پر کیا موقوف ہے۔ سبھی حکومتوں کے نزدیک سب سے بڑا جرم افلاس ہی ہے''۔

(بشکریہ جریدہ ''ہمایوں'' نومبر 1938ء).

❖

Marfat.com

Marfat.com

خالد کاشمیری ہمارے جانے پہچانے صحافی ہیں۔ ایک باشعور اخبار نویس کے طور پر تیس پینتیس برسوں سے ان کا ملکی سیاست سے گہرا تعلق ہے اور وہ اس کے بہت سے اندرونی رازوں سے آگاہ ہیں۔ انہوں نے کئی رہنماؤں کے سیاسی نظریات پر قلم اٹھایا ہے۔ بنیادی طور پر ان کی ''کومٹمنٹ'' جمہوریت سے ہے۔ یوں انہوں نے ہر اس لیڈر کی تائید وحمایت کی ہے جس کو جمہوریت کے لئے مفید سمجھا ہے وہ کم وبیش ایک درجن کتب کے مصنف ہیں۔ تصنیف وتالیف سے شغف ان کا خاندانی ورثہ ہے۔

خالد کاشمیری نے تحریک پاکستان کے مخلص کارکن اور مایہ ناز صحافی جناب حمید نظامی کی بھرپور زندگی پر کتاب لکھ کر پاکستان کے پہلے فوجی آمر کے خلاف ان کی جدوجہد کو ہم سب کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان کی کتاب سے اہل سیاست، ارباب صحافت اور اصحاب فکر ونظر استفادہ کریں گے اور وہ طالبان جمہوریت کے لئے نئے حوصلے اور ولولے کا باعث بنے گی۔

محمود مرزا

Marfat.com